آسیہ رئیس خان

وادیٔ دل

حیدر نے بے یقینی اور حیرت سے اسے اندر داخل ہوتے دیکھا۔ یہ کیسا مذاق تھا؟ اس نے ہلکے سے سر جھٹکا کہ شاید یہ اس کے تخیل کا کارنامہ ہو جو اسے اس کا چہرہ دکھا رہا ہے، لیکن نہیں، وہ وہی تھی جو اسے بے قراری سونپ کر کہیں چھپ گئی تھی، کھو گئی تھی۔ یہ ہی وہ لڑکی تھی جس نے اس کے دل کو پہلی کسک دی تھی۔ ایک چنگاری جو جانے کب اس کی قربت میں جاگی تھی، اب بھڑک کر اس کے چار سو پھیلی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے پر وہ بے نیازی نہیں تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ ہوا کرتی تھی، جس نے پہلی بار اس کی توجہ کھینچی تھی، اسے چیلنج کیا تھا۔ اس وقت اس کے سپاٹ چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ اس

مکمل ناول

TAGPK.COM
www.urdunovelsmag.com
Scanned with CamScanner

نے اسے دیکھا یا نہیں، پہچانا یا نہیں، یا پہچان کر انجان بن گئی، کچھ بھی اندازہ لگانا مشکل تھا۔ وہ سر جھکائے اندر آئی تھی اور ہاتھ میں پکڑا خوب صورت سا کاغذی بیگ میز پر رکھ کر باہر نکل گئی۔ حیدر اس کے پیچھے جانے لگا تھا کہ شافعہ کی آواز پر چونکا۔

''ادھر کہاں جا رہے ہو؟''

''وہ.....'' اس نے بمشکل خود کو باہر نکلنے سے روکا۔

''امی جو ابھی.....'' اس کا سوال مکمل نہ ہو سکا۔

''چلیں پھوپھو، اعظم بھائی آ گئے ہیں۔''

آئمہ دروازے میں کھڑی تھی۔

''چلو، پہلے ہی لیٹ ہیں ہم۔'' شافعہ نے اس کا رکھا بیگ اٹھایا اور بیٹے کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گئیں۔

www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

حیدر کار میں بیٹھنے تک اِدھر اُدھر دیکھتا رہا کہ وہ کہیں تو نظر آئے گی۔ اس نے ڈرائیونگ سے انکار کر کے اسٹیئرنگ وہیل اعظم کو سونپ دیا تھا۔ اس کا دل تو کر رہا تھا کہ جانے سے انکار کر دے لیکن اس نے ماں کے دمکتے چہرے کو دیکھا اور تھکی سی سانس خارج کر کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ جس کے کھو جانے کا ماتم کر رہا تھا وہ اسی گھر میں تھی۔ اسے خوش ہونا چاہیے تھا، وہ خوش تھا بھی مگر اس بیلا کو دیکھ کر جو احساس اس پر حاوی ہو رہا تھا وہ الجھن کا تھا۔

وہ پُراعتماد اور بے نیاز، کسی بات سے متاثر نہ ہونے والی لڑکی اور امی کے کمرے میں نظر آئی لڑکی ایک ہوتے بھی دو مختلف شخصیات لگ رہی تھی۔

☆☆☆

حیدر نے جوتے پہن کر جیکٹ اٹھایا اور دروازہ مقفل کر کے باہر نکل گیا۔ اس ہل اسٹیشن پر یہ اس کا دوسرا دن تھا۔ ابھی سیاحت کا سیزن نہیں تھا اس لیے اکثر ریزورٹ اور ہوٹلز خالی تھے۔ گوگل میپ میں راستہ دیکھتے ہوئے اس نے جاگنگ شروع کی۔ آدھے گھنٹے بعد واپس ہوتے ہوئے اسے راستے سے دائیں طرف اونچائی کی طرف جانے والا پگڈنڈی نما راستہ نظر آیا۔ یہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اس طرح کے ٹورسٹ پوائنٹس تھے جہاں سے نیچے دور تک پھیلے پہاڑی سلسلوں اور وادیوں کا نظارہ کیا جاتا تھا۔

وہ ہوٹل جانے کے بجائے اس راستے کی طرف مڑ گیا۔ اوپر پہنچا تو وہاں کا نظارہ واقعی بہت خوب صورت تھا۔ سورج ابھی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کی نارنجی شعاعیں افق پر دور تک رنگ اور روشنی پھیلا چکی تھیں۔ نیچے تاحد نگاہ نشیب و فراز کے سلسلے دور تک پھیلے تھے۔ موبائل میں تصویریں لینے کے بعد ایک طرف بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر بہت دیر تک وہ وہی تصویریں دیکھتا رہا۔ موبائل بند کر کے ہوڈی کی جیب میں ڈالتے ہوئے اس کی نظر سامنے اوپر آتی پگڈنڈی پر ٹھہر گئی۔

وہ ہاتھ میں ٹوٹی شاخ لیے اوپر چڑھ رہی تھی۔

اس سرد موسم میں سوئیٹر، جیکٹ، شال سے بے نیاز اس کا سبز دوپٹا ایک شانے پر جھول رہا تھا۔ وہ اردگرد سے بالکل بے پروا تھی۔ اوپر پہنچ کر اس نے شاخ ایک طرف پھینکی اور ریلنگ کے قریب جا کر رک گئی۔ اور سر اوپر کر کے جیسے سورج کی شعاعیں اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگی۔ اپنی دانست میں اس وقت وہ تنہا تھی، دنیا کے ہر تقاضے اور دنیاداری کی بناوٹ سے ماورا بالکل خالص۔

حیدر بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ذرا دیر بعد اس لڑکی نے سر سیدھا کیا اور ٹائی ٹینک کے ہیرو ہیروئین کی طرح دونوں بازو جسم سے دور پھیلا کر زور سے چلائی۔ پربتوں سے ٹکرا کر اس کی آواز ذرا دیر بعد واپس لوٹی تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ یہ ایکو پوائنٹ تھا۔ اس بازگشت کے جواب میں اس کے چہرے پر بکھری خوشی بڑی معصوم تھی۔ اس نے ایک بار پھر زور سے چیخ ماری۔ اپنی ہی آواز کی گونج سنتے ہوئے اس نے نظروں کا زاویہ بدلا اور حیدر کو دیکھ کر بری طرح ٹپٹا گئی۔

"ہیلو......" حیدر مسکرایا۔ "بلکہ گڈ مارننگ۔"

ذرا دیر قبل والی ٹپٹاہٹ فوراً اعتماد میں ڈھل گئی۔ اس نے کچھ کہے بنا سر ہلکے سے جھکا کر اسے بھی وش کیا حیدر اپنی جگہ سے اٹھ کر ریلنگ کے قریب آیا۔

"بہت خوب صورت منظر ہے۔" اس نے انگریزی میں کہا تھا۔

وہ اب بھی خاموشی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

حیدر کو اس طرح نظر انداز کیے جانے کی عادت نہیں تھی۔ پچھلے دو سالوں سے انگلینڈ میں اور اس سے قبل یہیں اپنے وطن میں، وہ ستائشی نظروں کا عادی تھا۔ اسے دیکھنے والا یونہی اس سے نظر نہیں ہٹا پاتا تھا۔ پہلی طویل نظر کے بعد جلد ہی نظریں پھر اس کے چہرے کا طواف کرنے لگتی تھیں۔ حیدر نے اس کا سرتاپا جائزہ لیا۔ چوڑی پیشانی اور سانولی رنگت میں

www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

سب سے نمایاں اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں تھیں۔ گرے جاگرز میں سبز اور سفید امتزاج کا کرتا، سفید پینٹ اور سبز دوپٹا۔ اس کے سیاہ بال شانے سے نیچے پشت پر پھیلے تھے جواب اس نے لپیٹ کر کیچر میں قید کر دیے تھے، کچھ لٹیں کان کے پیچھے سے گردن پر جھول رہی تھیں۔ کان میں چھوٹی سی بالیاں تھیں، ہتھیلی تک اس کی آستینیں تھیں۔ دوپٹا کھول کر شانوں پر پھیلا رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر نظر رکی ہی تھی کہ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر گویا ہوئی۔

''اس طرح تنہا لڑکی کا جائزہ لینا آپ کو مشکوک اور لڑکی کو بے آرام کر رہا ہے۔''

وہ بیک وقت اپنی حرکت پر شرمندہ اور اس کی صاف گوئی پر حیران ہوا تھا۔

''سوری..... ویری سوری۔'' اس نے خجل ہو کر بالوں میں انگلیاں گھماتے ہوئے کہا۔ وہ اب بھی سامنے نظریں جمائے تھی۔

''آپ لوکل تو نہیں لگتیں؟'' اس نے ماحول دوستانہ کرنا چاہا۔

''سیاحی مقام پر لوکل صرف ریزورٹ اور ہوٹل میں کام کرتے ہیں۔''

اسے اب تو اس لڑکی پر لعنت بھیج کر وہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔ مگر اسے کچھ تو وہاں روک رہا تھا۔ جانے یہ اس کی بے نیازی تھی، اپنی ضد یا پھر پہیلی سی لڑکی کو بوجھنے کا تجسس کہ دوٹوک جملوں کے باوجود اس کے لہجے اور آواز میں استہزاء یا منہ توڑ جواب دے دیا والا تاثر نہیں تھا۔ وہ یوں بات کر رہی تھی گویا یہ اس کا معمول ہو۔

''اوہ، تو آپ بھی ٹورسٹ ہیں۔ کس ہوٹل میں ٹھہری ہیں؟''

''آپ کے ہوٹل میں نہیں اور اپنے ہوٹل کا نام بتا بھی دوں تو کیا آپ یہاں کے سبھی ہوٹلز اور ریزورٹ وغیرہ جانتے ہیں؟''

''اووووو کے، ویلڈ پوائنٹ۔'' اس تفصیلی جواب کے بعد اس نے سر ہلایا

اس نے رخ حیدر کی سمت کیا لیکن اسے دیکھنے کے بجائے پتھر پر پیر مارتے ہوئے جاگرز کے تلے سے مٹی جھاڑنے لگی۔

آپ کل بھی اسی وقت یہاں آئیں گے؟

''یہ تو ضرورت سے زیادہ بولڈ نکلی۔'' حیدر نے سوچا۔

''جی۔'' اس نے مسکرا کر اس کی پیشانی پر بائیں ابرو کے قریب تل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور جانے کے لیے مڑ گئی۔

''تو کل میں یہیں آپ کا انتظار کروں؟'' اس نے پیچھے سے پکارا۔ وہ ہرگز بھی دل پھینک یا فلرٹ نہیں تھا لیکن اس کے آخری سوال کا مطلب پوچھنا بھی تو ضروری تھا۔

''نہیں، اسی لیے کنفرم کیا ہے۔'' اس نے پلٹے بنا کہا اور آگے بڑھتی رہی۔

حیدر کا منہ کھلا رہ گیا اور پھر وہ ہنس پڑا۔

''واؤ! ایسی بے عزتی زندگی میں پہلی بار ہوئی ہے۔''

وہ کچھ پل سوچتا رہا پھر اسی سمت دوڑا جدھر وہ گئی تھی اور ذرا دیر میں ہی اسے جا لیا۔ آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ حیدر نے اس کے ساتھ قدم ملائے۔

''آپ نے شاید کچھ غلط سمجھا.....''

''میں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔'' اس نے قطع کلامی کی۔

''پھر کل کیوں نہیں آئیں گی؟'' پوچھتے ہوئے اس کے ذہن نے خود ہی اس کی طرف سے جواب بھی دے دیا تھا۔ ''میری مرضی۔''

''میں یہاں تنہا وقت گزارنے آتی ہوں۔'' خلافِ امید ذرا توقف کے بعد اس نے وجہ بیان کی۔''

''آپ تنہا ہی تو واک کرتے ہوئے یہاں آتی ہیں، کچھ دیر کوئی ساتھ ہو تو کیا مضائقہ؟''

www.urdunovelsmag.com

اسے احساس ہوا کہ اب وہ زبردستی کر رہا ہے۔ لڑکی کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔

"آپ کے رویے نے میرے اندر تجسس پیدا کیا ہے اور میں کچھ وقت آپ کے ساتھ گزارنے کا خواہش مند ہوں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" وہ سڑک پر آگئے تھے۔

اور میں آپ کی خواہش کی پابند نہیں۔" وہی سادہ پراعتماد لہجہ۔

حیدر نے ایک دم سامنے آکر اس کا راستہ روکا۔

"میں یہاں سے پیچھا کرتے ہوئے آپ کے ہوٹل اور روم تک بھی پہنچ سکتا ہوں۔" اس کے چہرے پر شرارت تھی۔

کچھ سیکنڈ سنجیدگی سے اسے دیکھنے کے بعد اس نے کہا۔

"لیکن آپ ایسا کریں گے نہیں۔" اور اس کے بازو سے نکل کر سڑک پر آگے بڑھ گئی۔

حیدر اسے جاتا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کی کش و پنج کے بعد مخالف سمت اپنی ہوٹل کی طرف رخ موڑتے ہوئے وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا۔

"کلین بولڈ حیدر۔"

☆☆☆

اگلے دن جاگنگ کے بعد وہ اسی پوائنٹ پر پہنچ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ کل جس وقت آئی تھی، اس کے بیس منٹ بعد وہ اسے آتی دکھائی دی۔ وہی گرے جاگرز، کیچر میں قید بالوں سے نکلی گردن پر جھولتی لٹیں۔ آج اس کا لباس سیاہ اور سرخ تھا۔ حیدر ایسی جگہ بیٹھا تھا کہ اوپر پہنچتے ہی فوراً نظر آجائے اور وہی ہوا۔ اوپر پہنچ کر وہ اسے دیکھتے ہی رک گئی۔

"میں تو اپنی خواہش پوری کرنے کا پابند ہوں۔" حیدر نے ہاتھ ہلاتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں کہا کہ فاصلہ زیادہ تھا۔ وہ مسکرائی اور کل والی جگہ پر جا کر کھڑی ہوگئی۔ حیدر چند منٹ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

"آپ ہمیشہ یوں دوٹوک اور بلنٹ بات کرتی ہیں یا اس جگہ کا اثر ہے؟" وہ اٹھ کر ریلنگ کے قریب آیا۔

"آپ ہمیشہ یوں لڑکی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں یا یہ اس جگہ کا اثر ہے؟" اب بھی اس کی نظر سامنے افق پر تھی۔

"یہ پہلی بار ہے اور لڑکی کا اثر ہے۔" اس نے حیدر کو لاجواب کرنا چاہا تھا لیکن اب بے اختیار چہرہ موڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ پہلی لڑکی ہیں جو اتنی دیر بات کرنے کے بعد مجھ سے متاثر نہیں ہوئیں۔"

"کیا مجھے ان تمام لڑکیوں پر افسوس کرنا چاہیے؟" ذرا دیر بعد اس نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس کا فیصلہ مجھے جانے بغیر تو نہیں ہوسکتا۔"

"میں نہیں کرتی افسوس، خوش؟" اس نے جان چھڑانی چاہی۔

آپ کو لگ رہا ہوگا میں کوئی بہت فلرٹ یا دل پھینک قسم کا ہوں مگر یہ سچ نہیں۔

مجھے ایسا کچھ نہیں لگ رہا۔"

"پھر کیا لگ رہا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ آپ کیوں میری رائے یا اپنی امیج کی پروا کر رہے ہیں؟ ہم دو اجنبی اتفاق سے یہاں مل گئے ہیں، کل اپنے راستے ہوں گے۔"

"پتا نہیں، میرا دل کیا آج پھر آپ سے ملاقات اور بات ہونی چاہیے اور میں یہاں موجود ہوں، آپ نے جو کہا بالکل سچ ہے اس لیے ریلکس رہیں، میں ہوٹل یا گھر تک آپ کا پیچھا ہرگز نہیں کروں گا۔" اس بار وہ چپ رہی۔

"میں یہاں تنہا ہوں، کیا آپ بھی؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو کوئی آپ کے ساتھ کیوں نہیں؟"

"مجھے تنہائی پسند ہے۔" اس نے جیسے جتایا۔

"مجھے کبھی کبھی، جب کچھ سارٹ آؤٹ کرنا

www.urdunovelsmag.com

ہو....."

"پھر ہو گیا سارٹ آؤٹ؟"

"اونہوں۔" اس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"کہاں سے آئے ہیں؟" اس کے سوال پر حیدر کو خوش گوار حیرت نے گھیرا۔

"آیا تو یو کے سے ہوں، رہتا پونا میں ہوں۔" اس نے ہلکے سے ابرو چڑھا کر سر ہلایا۔

"اور آپ؟"

"پونا۔"

"ارے! یعنی مزید اتفاق کے چانس ہیں۔"

"یہ اتفاق کافی ہے، میں نہیں چاہتی مزید اتفاق۔" وہی سادہ، مضبوط اور پر اعتماد لہجہ۔ حیدر بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ پڑھتی ہیں؟"

اونہوں۔"

"جاب؟"

"جی۔"

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔

"آج آپ چیخیں گی نہیں؟"

"نہیں۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" حیدر ریلنگ پکڑ کر ذرا آگے کو جھکا اور پوری قوت سے حلق کے بل آواز لگائی۔ اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"سوری۔" حیدر نے اسے دیکھتے ہوئے بنا آواز لب ہلائے۔ وہ بھی چپ تھی کہ لوٹ کر آئی آواز سنی جا سکے۔ ذرا دیر بعد حیدر کی آواز پلٹ کر گونجی۔ دونوں مسکرا دیے۔

"چلانے کے بجائے ہم اپنے نام بھی پکار سکتے ہیں ناں۔"

"مجھے چیخنا ہی اچھا لگتا ہے۔"

حیدر مسکرا دیا۔ وہ اپنا نام نہیں بتانا چاہتی تھی۔

"یہاں شام کا منظر بھی بہت خوب صورت ہوتا ہے۔"

حیدر کو لگا تھا وہ کہے گی ہاں میں نے بھی دیکھا ہے یا میں اب تک نہیں دیکھ پائی، لیکن وہ خاموش رہی۔

"آپ شام میں نہیں آئیں کبھی؟" اسے سیدھا سوال کرنا پڑا۔

"ڈوبتا سورج اور شامیں مجھے اداس کرتی ہیں۔" خلاف امید تفصیلی جواب ملا تھا۔

"اچھا..... لیکن ان کا بھی الگ حسن ہے۔" حیدر نے اس کے سانولے چہرے پر خنک سی ہوا کے ساتھ سنہری کرنوں کو بکھرتے دیکھ کر کہا۔

حسن کی تعریف سب کے لیے الگ ہوتی ہے۔"

"آپ کے لیے کیا ہے؟"

"جو دل کو بھا جائے، خوش کرے، جسے بار بار دیکھنے کی خواہش ہو۔"

اور حیدر کو اس تعریف کی بنا پر اسے حسین تسلیم کرنا پڑا۔ اس کی نظر طویل ہونے لگی تو وہ جز بز سی اپنی جگہ سے پیچھے ہٹی۔ حیدر بھی سنبھل گیا۔

وہ وال سے ہٹ کر ریلنگ کے دوسرے سرے پر آئی۔ وہ بھی آہستہ قدم اٹھاتا اس کے پیچھے تھا۔

"یہاں نیچے بہت خوب صورت جنگلی پھول ہیں۔" وہ نیچے جھانکتے ہوئے گویا ہوئی۔

حیدر نے بھی اس سمت دیکھا۔ وہاں واقعی سرخ، سفید اور کاسنی پھولوں سے لدی جھاڑیاں تھیں۔

"ان تک پہنچا مشکل ہے۔" حیدر نے کہا۔

"ان تک پہنچنا ضروری بھی نہیں ہے۔"

"خوب صورت..... اسپیشلی خوب صورت پھول، سب چھونا اور کمیل کرنا چاہتے ہیں۔"

"کچھ خوب صورت چیزوں کا وجود ہی کافی ہوتا ہے، ان سے زیادہ کی خواہش اور توقعات ان کا طلسم توڑ دیتی ہے، جیسے ان جنگلی پھولوں میں شاید خوشبو نہ ہو۔"

www.urdunovelsmag.com

وہ اس کے سادہ لہجے میں کچھ کھوجنے لگا۔

"میں چلتی ہوں۔" پلٹ کر اس نے رخ پگڈنڈی کی سمت رخ کیا۔

"چلیں۔" وہ بھی ساتھ ہولیا۔

پگڈنڈی سے نیچے آتے ہوئے وہ مسلسل فضول بول رہا تھا۔ وہ سر ہلا دیتی یا پھر چپ رہتی۔ سڑک پر آکر اپنے راستے جانے سے پہلے وہ ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

"میں حیدر۔" حیدر نے تعارف کرایا۔

"میں بیلا۔" ذرا سے شش و پنج کے بعد اس نے اپنا نام بتایا۔ وہ نام سن کر ذرا مایوس اور کنفیوز ہوا ہی تھا کہ اس نے اللہ حافظ کہا اور آگے بڑھ گئی۔ حیدر کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

☆☆☆

وہ کسی خاص مسئلے پر غور وفکر اور فیصلہ کرنے یہاں آیا تھا مگر اب وہ مسئلہ پس پشت چلا گیا تھا۔ صبح کی یہ چھوٹی سی ملاقات دن بھر ساری سوچوں پر حاوی رہی تھی۔ اس دن کے بعد حیدر کو انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے ریلنگ کے پاس تنہا کھڑا رہنے دیتا پھر اس کے قریب آتا۔ وہ اپنے متعلق زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ جب ایسی کوئی بات ہو کہ اسے اپنے متعلق بتانا پڑے، تب وہ چپ ہو جاتی۔

"تم آپ، کچھ سارٹ آوٹ کرنے آئے تھے؟"

"ہمم......"

"ہو گیا؟"

"ابھی تک بھی نہیں۔" اس نے ریلنگ سے پشت ٹکا کر رخ پگڈنڈی کی سمت کیا۔

"میرے پاس دو آپشن ہیں، یہاں سیٹل ہو جاؤں یا ابراڈ چلا جاؤں، سیٹل ہونے کا تو فی الحال سوچا نہیں لیکن میں باہر جاب ضرور کرنا چاہتا ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میری فیملی میرے ساتھ باہر نہیں جاسکتی، یہاں ان کا کام ہے اور میں دو سال دور رہنے کے بعد مزید ان سے دور نہیں رہ سکتا۔"

"کچھ وقت یہاں جاب کریں، فیملی کے ساتھ رہیں، پھر آگے کا سوچیں۔"

"ابھی باہر جاب کے جو بہترین مواقع میسر ہیں، وہ پھر شاید نہ ملیں......"

"آپ کے لیے زیادہ اہم کیا ہے، جاب یا فیملی؟"

"دونوں۔" وہ ہنس دی۔

اس طرح تو ہو گیا فیصلہ! پہلے یہ طے کریں زیادہ ضروری کیا ہے، فیصلہ خود بخود ہو جائے گا۔"

"میرے لیے ساری دنیا میں سب سے اہم میری ماں ہیں۔"

"تو انہی سے پوچھ لیں، وہ جو کہیں چپ چاپ مان لیں۔"

"وہ کہیں گی، جو تمہیں ٹھیک لگے۔"

"پھر ہیڈ یا ٹیل کر لیں۔"

اب کے وہ ہنس دیا۔ بیلا اس کی سمت مڑی اور دونوں ہاتھ کی مٹھیاں بنا کر سامنے کیں۔

"کوئی ایک چوز کریں۔"

[illegible] کا الجھن [illegible] بڑا دلچسپ لگ رہا تھا۔ حیدر نے اسے دیکھا، بیلا نے آنکھوں سے دونوں بند ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ذرا دیر سوچنے کے بعد اس نے شہادت کی انگلی بائیں مٹھی کی طرف کی۔

"باہر چلے جائیں۔" وہ دوبارہ گھوم کر وادی کی سمت مڑ گئی۔

حق ہا......" اس نے بھی بیلا کی تقلید میں رخ موڑا۔

"یہ اتنا آسان نہیں۔" وہ اسے ساری کہانی نہیں سنا سکتا تھا۔

"آسان یہاں کچھ نہیں، کبھی کبھی تو سانس لینا بھی نہیں۔" اس نے اسی سادگی سے کہا لیکن حیدر اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا۔

کیا آپ کو کوئی دکھ ہے؟"

"کیا آپ کہہ سکتے ہیں آپ کو کوئی دکھ نہیں ہے؟" پہلی بار اس نے حیدر کی آنکھوں میں آنکھیں

TAGPY.COM
www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

ڈال کر سوال کیا۔ حیدر نے نفی میں سر ہلایا۔
''اب چلیں۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی چل بھی پڑی تھی۔

☆☆☆

شیڈول کے مطابق حیدر کو کل گھر جانا تھا لیکن اس نے جانا ملتوی کر دیا۔ وہ دوڑتا ہوا اوپر پہنچا تو بیلا پہلے سے موجود تھی۔
''سرپرائز!'' حیدر نے خوش دلی سے کہا۔ وہ ریلنگ کے پاس کھڑی ہونے کے بجائے اس کی جگہ پر بیٹھی تھی۔
آج میں جلدی آ گئی تھی۔''
''اور میرا انتظار کر رہی تھیں۔'' اس نے شرارت سے کہا۔ جواب میں اس نے سنجیدگی سے ہنکار بھر کر سر ہلایا۔
حیدر اس سے فاصلے پر بیٹھ گیا۔ آج موسم ابر آلود تھا۔ ابھی تک سورج کی کرنیں افق پر نمودار نہیں ہوئی تھیں۔
''چیخنا چلانا ہو گیا؟'' حیدر نے پوچھا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
''آج دل نہیں کر رہا۔''
''ارے کیوں؟ شاید موسم کی وجہ سے۔'' وہ اٹھ کر ریلنگ کی طرف جانے لگا۔ ''لیکن میرا دل تو کر رہا ہے۔''
حیدر نے منہ کے دونوں طرف ہتھیلی رکھ کر پوری آواز سے اپنا نام پکارا۔ ذرا دیر بعد 'حیدر' کی بازگشت سب طرف بکھر گئی۔
پھر اس نے بیلا کا نام پکارا اور پلٹا۔ 'بیلا' کی بازگشت پر وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ کے جواب میں وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ریلنگ کے پاس آئی۔
''آج شاید بارش ہو گی۔''
''شاید نہیں یقیناً۔'' حیدر نے سر اٹھا کر گھنے بادلوں کو دیکھا۔ ''یہاں زیادہ بارش ہو تو حالات خطرناک بھی ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ایسے موسم میں یہاں کوئی نہیں آتا۔''
''اور اس موسم میں ہم دونوں یہاں موجود ہیں۔''
حیدر نے گردن موڑ کر دیکھا۔ آج بیلا کے بالوں میں کیچر نہیں تھا، بالوں کی چوٹی گوندھی گئی تھی۔
پل بھر اس کی سمت دیکھ کر وہ مسکرائی۔ بڑی اداس سی مسکراہٹ تھی۔
''اس لیے کہ ہم دونوں ہی بے وقوف ہیں، ویسے ابھی مون سون شروع نہیں ہوا ورنہ تو یہاں ہوٹلز وغیرہ بھی بند ہو جاتے ہیں۔'' حیدر نے کہنیاں ریلنگ پر ٹکا کر نیچے جھانک کر جنگلی پھولوں کی جھاڑیوں کو دیکھا۔
''بارش شروع ہونے سے پہلے واپس چلیں جائیں ورنہ پھنس جائیں گے۔''
''کیا آپ جا رہی ہیں؟'' حیدر کے اندر بے قراری سی پھیلی تھی۔
''اونہوں۔''
''میرا بھی ارادہ نہیں۔'' حیدر کو اطمینان ہوا۔
''آپ کرتے کیا ہیں؟'' بیلا کے ایک دم ٹریک بدلا۔
''سافٹ ویئر انجینئر ہوں، فی الحال ماسٹرز کمپلیٹ کر کے لوٹا ہوں، اس سے پہلے ایک سال جاب کرتا رہا ہوں۔''
''اچھا، اور وہ فیصلہ آپ ابھی تک نہیں کر پائے یہاں رکیں یا جائیں؟'' حیدر نے منہ بنا کر نفی میں سر ہلایا۔
''زیادہ نہ سوچیں، جتنا وقت دیں گے فیصلہ آسان نہیں مشکل ہوتا جائے گا۔''
''لگتا ہے ہیڈ یا ٹیل ہی کرنا پڑے گا۔''
''تو ابھی کر لیں۔''
''آپ کے پاس کوائن ہے؟''
''اونہوں۔''
''میرے پاس بھی نہیں۔''
''چلیں، ہوٹل پہنچ کر کر لیں یہ کام۔''

www.urdunovelsmag.com

''یس، کل بتاؤں گا آپ کو کہ کوائن نے کیا فیصلہ کیا ہے میری قسمت کا۔''

''خیر! قسمت کا فیصلہ تو بس ایک ہی ذات کرتی ہے۔'' بیلا نے شہادت کی انگلی سے آسمان کی سمت اشارہ کیا۔ ''کوائن تو بہانہ اور اشارہ ہے۔''

''آپ بہت کلیئر ہیڈیڈ ہیں، چٹکیوں میں اپنے فیصلے کر لیتی ہوں گی، بلکہ ہوسکتا ہے لوگ آپ کے مشورے سے اپنے فیصلے کرتے ہوں۔'' اول دن سے اب تک، اس کے انداز سے حیدر نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔

اچانک بوندیں گرنا شروع ہوگئی۔

''اوہ! بارش شروع ہوگئی۔ ادھر آجائیں۔'' حیدر نے آگے جاتے ہوئے کہا وہ سر پر ہاتھ رکھے اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے پگڈنڈی کے قریب پیپل کے گھنے پیڑ کے نیچے آگئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تیز بارش شروع ہوگئی تھی۔ بارش کے ساتھ ہوائیں بھی تھیں۔

''پریشان نہ ہو ابھی رک جائے گی۔'' اس کے چہرے پر اترتی فکرمندی پر حیدر نے تسلی دی۔ وہ سر ہلا کر مسکرائی۔

''اگر بارش مزید تیز ہوگئی تو؟ ہمیں اس کے رکنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔''

بیلا کی بات پر حیدر نے اسے دیکھا۔ وہ دوپٹا اچھی طرح لپیٹے ٹھنڈ روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آج اس کے پیروں میں بھی چپل تھی جا گرز نہیں۔

''کچھ دیر رکتے ہیں، اگر کم نہ ہوئی تو چلیں گے۔'' اس نے زپ کھول کر جیکٹ اتار کر بیلا کی سمت بڑھائی جو اس نے ذرا جھجک کے بعد لے لی۔

''تھینک یو۔'' بیلا نے اس کی سمت دیکھے بغیر کہا۔

اس نے آگے آکر پگڈنڈی سے نیچے سڑک کو دیکھا۔ اتنی سی دیر میں ہی سڑک پر پانی بہنے لگا تھا۔

''آپ کو بارش اچھی لگتی ہے؟'' اس نے پلٹ کر پوچھا۔

بیلا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے خود میں سمٹی تھی۔ حیدر کو احساس ہوا روز سوئیٹر شال کے بنا آرام سے گھومنے والی کو اس وقت ٹھنڈ لگ رہی تھی۔

''میں ہوٹل کال کر کے کار منگواتا ہوں۔'' حیدر نے ٹریک پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالا۔

''نہیں پلیز۔'' پہلی بار بیلا کے چہرے پر گھبراہٹ ابھری۔ وہ یونہی فون ہاتھ میں لیے ذرا حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔

''اوکے۔'' اس نے فون واپس جیب میں رکھ لیا۔

جیسے اچانک بارش شروع ہوئی تھی ویسے اچانک بھی رک گئی۔ بیلا نے آگے آکر ہتھیلی پھیلا کر یقین کیا کہ بارش بند ہوگئی ہے۔

''اس سے پہلے کہ بادل دوبارہ برسنے لگیں، ہمیں چلنا چاہیے۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی پگڈنڈی پر اترنے لگی۔

''سنبھل کر، کیچڑ کی وجہ سے سب سلیپری ہے۔'' حیدر بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ بیلا بہت سنبھل سنبھل کر نیچے سڑک تک آئی۔

''تھینک یو۔'' وہ جیکٹ کی زپ کھولتے ہوئے گویا ہوئی۔

''رہنے دیں، موسم سرد ہے، کل لوٹا دینا۔''

''آپ کو بھی تو.....''

''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' وہ روز اسے ہوڈی یا جیکٹ پہنے دیکھتی تھی اس لیے اس کے چہرے پر بے یقینی ہی رہی لیکن اس نے لوٹانے کا اصرار نہیں کیا۔

''اللہ حافظ۔'' وہ بائیں طرف مڑ گئی۔

''بیلا!'' اس نے بے اختیار ہی اس کا نام لیا تھا۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کا نم چہرہ حیدر کو اداس لگا تھا۔ کئی پل گزر گئے۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا

www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

جس احساس کے تحت پکارا تھا، اسے لفظوں میں کیسے ڈھالے۔

جی.....؟'' بیلا نے استفسار کیا۔

''سنبھل کر جائیں۔'' آخر کچھ تو کہنا تھا۔

بیلا نے مسکرا کر سر ہلایا اور آگے بڑھ گئی۔ ان کے راستے مخالف سمت میں تھے۔ وہ روز کی طرح اس کے نظروں سے غائب ہونے تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر اپنی ہوٹل کی سمت دوڑ پڑا۔

سارا دن اس کے چہرے پر پھیلی اداسی اس کے آس پاس رہی تھی۔ رات سونے سے پہلے اس نے تہیہ کیا کہ وہ صبح ضرور اس سے اس کی وجہ پوچھے گا۔

اگلے دن وہ اس کا انتظار ہی کرتا رہا نو بج گئے لیکن وہ نہیں آئی۔ تھک ہار کر حیدر نیچے اتر آیا۔ ذرا دیر سوچنے کے بعد وہ بائیں طرف چل پڑا جہاں روز بیلا جاتی تھی۔ ذرا دور چلنے کے بعد ہی ہوٹلز اور کاٹیجز شروع ہوگئے تھے۔ وہ ان سب کے احاطوں اور گیٹ سے اچک اچک کر بغور اندر دیکھتا رہا کہ کہیں تو وہ اسے نظر آئے گی لیکن اسے نامراد ہی اپنے ہوٹل لوٹنا پڑا۔ امی سے مزید رکنے کا کہنا بھی مشکل تھا پھر بھی وہ اگلے دن رک کر صبح وہاں پہنچا تھا۔ وہ نہیں آئی اور آج ہی اسے گھر لوٹنا تھا۔ حیدر سوائے اس کے نام کے کچھ بھی معلوم نہ تھا اور جانے کیوں یہ خیال کہ اب وہ اسے نہیں ملے گی، اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے غصہ آرہا تھا، جھنجلاہٹ سوار تھی اور گھر پہنچنے تک وہ سب ختم ہو کر بے کلی میں ڈھل کر دل میں ٹھہر گیا تھا۔

اتنے دنوں میں ایک پل کے لیے بھی وہ اس کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی۔ اسے کیا خبر تھی، جس کے ملنے کی وہ دعائیں مانگ رہا ہے، وہ لڑکی اس سے پہلے ہی اس کے گھر میں موجود ہے۔ اسے بتایا گیا تھا کہ دادی بھی دو دن پہلے ہی ہل اسٹیشن سے لوٹی ہیں جہاں وہ ڈاکٹر کے تبدیلی موسم اور تبدیلی ماحول کے مشورے پر گئی تھیں۔ اس نے نہ جگہ کا نام پوچھا تھا نہ کسی نے بتایا۔ پونا سے قریب لوناولا ہی ہے، اس نے بھی یہی سمجھا کہ دادی وہیں گئی ہوں گی۔ حیدر نے شافعہ سے کہہ رکھا تھا کہ دوستوں نے ہفتے بھر کا گیٹ ٹوگیدر پلان کیا ہے اور وہ وطن آنے کے بعد گھر آنے سے پہلے کچھ دن ممبئی میں ہی رکے گا۔ ایک بار جاب اور اس کی مصروفیتیں شروع ہوجائیں تو ان ملاقاتوں کے لیے وقت نہیں ملتا، یہ سوچ کر شافعہ نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ جتنے دن وہ مہابلیشور میں تھا، شافعہ اور گھر والے یہ ہی سمجھتے رہے کہ وہ ممبئی میں ہے۔

اسے دیکھتے ہی اتنے دنوں سے جو غصہ خود پر تھا، وہ نئی وجہ کے ساتھ عود آیا تھا۔ اب غصے کا رخ اس کی طرف تھا، جسے کھو دینے کے احساس نے زندگی سے رنگ چھین لیے تھے۔ اس کے متعلق گھر میں کسی سے پوچھنا بھی ٹھیک نہیں تھا کہ اسے یقین تھا اس نے اسے اپنا نام بھی غلط بتایا ہوگا۔

☆☆☆

پھوپھو کے یہاں دعوت پر بھی اس کا ذہن اسی میں الجھا رہا۔ کتنے سوال تھے جو وہ سیدھا اس کے سامنے جا کر اس سے پوچھنا چاہتا تھا۔ دیر رات گھر پہنچنے پر وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

اگلے دن خلاف معمول ناشتے کی میز پر بشیراں خالہ کی جگہ وہ فعال تھی۔ باورچی خانے سے میز کے چکر اور پھر میز پر سب کی مطلوبہ چیزیں ان کے سامنے رکھنے کا کام وہ معمول کی طرح کر رہی تھی۔ اس نے آملیٹ کی پلیٹ شافعہ کے قریب رکھی تو انہوں نے ٹوکا۔

''مجھے نہیں حیدر کو دو۔'' وہ شافعہ اور اس کی کرسی کے درمیان کھڑی تھی۔ اس نے پلیٹ اٹھا کر حیدر کے سامنے رکھی اور وہ غصے اور جھلاہٹ پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے میز پر بے اختیار زور سے ہاتھ رکھا اور قریب رکھا جوس کا گلاس زمین بوس ہوگیا۔

''اندھی ہو گیا تم؟ دیکھ کر کام کیا کرو۔'' کئی ساری آوازوں کے بیچ بڑی ممانی کی آواز نمایاں

www.urdunovelsmag.com

تھی۔ وہ کچھ کہے بنا ہی نیچے بیٹھ کر کانچ کے ٹکڑے ہاتھ میں اکٹھا کرنے لگی۔

"تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" شافعہ نے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے پیروں کے پاس بیٹھی بیلا پر اسے اب اور زیادہ غصہ آرہا تھا۔

"دھیان کہاں تھا تمہارا؟" بیٹے کی طرف سے مطمئن شافعہ چپ تھیں لیکن سامعہ سے صبر نہ ہوا۔

"ہو جاتا ہے، سبیلا تم اشو کا ٹفن ریڈی کر دو، یہ بشیراں خالہ صاف کر لیں گی۔ بشیراں خالہ!" سار یہ بھابھی اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے آئیں اور ساتھ ہی بشیراں خالہ کو آواز بھی دی۔

"سبیلا۔" اس نے دل میں دہرایا۔

وہ کانچ کے ٹکڑے ہاتھ میں لیے باورچی خانے میں چلی گئی۔

"تم اس طرف آجاؤ۔" شافعہ نے اسے وہاں سے اٹھ کر دوسری طرف آنے کو کہا۔ اس نے تعمیل کی۔ کچھ دیر بعد بشیراں خالہ موپ اور بکیٹ لیے آئیں اور دور تک پھیلا جوس صاف کرنے لگیں۔

میز پر پھر سے ذرا دیر پہلے والا ماحول تھا اور حیدر کے لیے وہاں بیٹھنا دوبھر ہو رہا تھا۔ اس کے پیچھے جا کر اس سے جواب طلبی کی خواہش بڑی شدید تھی۔ کیوں اسے بے وقوف بنایا، کیوں جھوٹ کہا، دھوکا دیا، فریب کیا؟ لیکن اسے مجبوراً وہاں بیٹھ کر اپنی ماں کی تسلی کے لیے ناشتا مکمل کرنا پڑا، دونوں ماموں کی باتوں کے خندہ پیشانی سے جواب دینے پڑے، ممانی کے پوچھنے پر آج کے لنچ کے لیے اپنے پسندیدہ کھانے کا نام بھی لینا پڑا۔ یہ سب وہ اپنی ماں کے لیے کرتا تھا ورنہ وہ پابند نہیں تھا۔ وہاں سے اٹھ کر چلا بھی جاتا تو اس کا اختیار تھا۔ مگر اس کی ماں کے لیے اچھے اخلاق کے حامل اور ایک مکمل شخصیت کے مالک بیٹے کو دیکھ کر بھائی بھابھیوں اور ماں کی نظر میں اپنی اچھی تربیت، قربانیوں اور مشقت کے اعتراف کا عکس بہت معنی رکھتا تھا۔

شافعہ نے حیدر اپنے ساتھ اسکول چلنے کو کہا لیکن اس نے انٹرویو کی تیاری کا بہانہ بنا کر گھر میں ہی رکنے کو ترجیح دی۔ اسے امید تھی دن بھر میں اسے باورچی خانے میں جانے یا بیلا سے اکیلے بات کرنے کا موقع مل جائے گا مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ باورچی خانہ دائیں طرف الگ تھلگ سا تھا وہ اب تک ادھر کھانے کے اوقات میں ہی جاتا تھا۔ اس نے جب بھی ادھر جانے کی کوشش کی وہاں پہنچنے سے پہلے ہی درمیان میں کوئی مل جاتا اور اس پر نظر پڑتے ہی اس کی مطلوبہ چیز اس کے کمرے تک پہنچانے کی یقین دہانی کے ساتھ اسے لوٹا دیا جاتا۔

دوپہر کے کھانے پر چھوٹے ماموں اور اس کے علاوہ سب خواتین تھیں۔ بشیراں خالہ کی جگہ پھر وہ موجود تھی۔ منہ بند کیے کام کرتی۔ ابھی تک اس نے اس کی آواز نہیں سنی تھی۔ حیدر کے سپاٹ چہرے سے کچھ بھی اندازہ لگانا مشکل تھا۔ بظاہر تو صرف جاگرز اور قدرے اچھے لباس کا فرق تھا مگر اسے اس بیلا اور اس سبیلا میں زمین آسمان کا فرق لگ رہا تھا۔

وہ موقع کی تلاش میں دوپہر میں ہال میں بیٹھا ٹی وی دیکھتا رہا۔ ذرا دیر بعد سامعہ اور پھر آئمہ بھی اس کا ساتھ دینے آگئیں۔ اسے سبیلا کے ساتھ ساتھ ان دونوں پر بھی غصہ آنے لگا لیکن ضبط کیے ان کی باتوں پر مسکراتا رہا۔

رات بھر بھی نئی نئی سوچوں نے حیدر کو سونے نہیں دیا تھا۔ اسی لیے تھکا اور جاگا ذہن اسے کمرے میں لے آیا اور لیٹتے ہی وہ سو گیا۔ شام میں شافعہ کی کال پر اس کی آنکھ کھلی۔ بات کر کے وہ باہر آیا۔ اسے کافی کی طلب ہو رہی تھی۔ باورچی خانے کے باہر برآمدے میں ہی کھانے کی بڑی سی میز تھی جہاں سامعہ اور بشریٰ کے ساتھ بیلا دیکھ کر وہ رک گیا۔

"زبان ہلاتے ہوئے کون سی شان گھٹتی ہے تمہاری؟" سامعہ کرسی کا رخ اس کی سمت کیے پوچھ رہی تھی۔

"اکڑ ہے، شان کیا ہوگی اس کی۔" بشریٰ استہزایہ انداز میں ہنسی۔

www.urdunovelsmag.com

"کتنی دفعہ کہا ہے کہ جب کوئی کام کہوں تو جی باجی کہا کرو، یہ من بھر کا سر مت ہلایا کرو۔" سامعہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر کو دھکا دیا۔ وہ اپنے پیروں پر نظر جمائے کھڑی تھی۔

"اللہ! مجھے تو کبھی کبھی لگتا ہے یہ بہری یا گونگی ہے۔" اب بھی اس کے جی باجی نہ کہنے پر بشریٰ نے کہا۔

"نہیں یہ کمینی اور احسان فراموش ہے جو اپنے محسنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلے پر اترنا چاہتی ہے۔" سامعہ اپنی نفرت چھپانا نہیں چاہتی تھی جو اس کے ہر لفظ اور انداز سے جھلک رہی تھی۔ بڑے ماموں کی اکلوتی بیٹی کا مزاج ہمیشہ باقی سب سے مختلف تھا پھر بھی اسے سامعہ سے اس انداز کی امید نہیں تھی۔

"کیا چل رہا ہے یہاں؟" آگے بڑھتے ہوئے اس نے کہا۔ سبیلا کے پیروں کی انگلیاں بھینچ گئیں۔

"کچھ نہیں، بس چائے اور فرائز کا موڈ بن گیا ہے۔" سامعہ کا موڈ ایک دم بدل گیا۔

"مجھے بھی کافی کی طلب ہو رہی ہے۔"

"آپ ہمیشہ سے کافی والے ہیں۔" سامعہ نے کہا اور سبیلا کی سمت پلٹی۔

"جاؤ، اب کھڑی کیا ہو یہاں، پہلے کافی بنا دو۔" وہ نظر اٹھائے بنا ہی چلی گئی۔ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے حیدر نے کرسی سنبھال لی۔

باورچی خانے میں آتے ہی سبیلا رونا آ گیا۔

"یا اللہ ایک بے ضرر سی خواہش کی اتنی بڑی سزا تو نہ دے۔" معصوم سا شکوہ اس کے دل میں ابھر کر گم ہو گیا۔

کافی بنا کر اس نے مگ چھوٹی ٹرے میں رکھا اور بشیراں خالہ کو بلا کر انہیں ٹرے تھما دی۔

سبیلا کی جگہ بشیراں کو دیکھتے ہی سامعہ کو مزید غصہ آ گیا۔ کیا سمجھتی ہے وہ خود کو۔ حیدر نہ ہوتا اس وقت تو وہ اس کی اچھی خبر لیتی۔ کچھ دیر بعد چائے اور فرائز بھی بشیراں خالہ ہی لے کر آئیں۔ آہستہ آہستہ سارا گھر ہی وہاں جمع ہو گیا۔ شافعہ بھی جلدی آ گئی تھیں۔

اگلے دن فون پر حیدر کا انٹرویو تھا۔ وہ فجر کے بعد جاگنگ کے لیے نکل گیا۔ وہ آیا تب سے روز ہی رات میں محفل جمی رہتی تھی۔ بڑے کمروں میں چلے بھی جاتے تو وہ سب جاگتے رہتے۔ وہ کسی طرح اٹھ کر فجر پڑھ کر پھر سو جاتا تھا۔

وہ آہستہ سے گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا کیوں کہ اندر ابھی سب سو رہے تھے۔ گھر کے دو حصے تھے آگے پورچ، ہال اور ان سب کے کمرے تھے اور دائیں طرف قدرے پیچھے بڑا باورچی خانہ تھا۔ باورچی خانے کے ساتھ دو کمرے تھے جہاں باورچی خانے میں کام کرنے والی ملازمائیں رہتی تھیں۔ وہ پورچ سے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ دائیں طرف چلا آیا۔ وہ اسے دور سے ہی نظر آ گئی جو سیڑھی پر بیٹھی قریب رکھے گملے کی مٹی چھوٹی سی خشک ٹہنی سے کرید رہی تھی۔

اس وقت کسی کے ادھر آنے کا امکان نہیں تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔ کسی کی موجودگی کا احساس ہونے پر اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا اور بے اختیار کھڑی ہو گئی۔ جس سے وہ بچ رہی تھی وہ ناگزیر لمحہ سامنے تھا۔

"ہیلو بیلا۔" سبیلا نے اس سے زیادہ سرد کچھ اور محسوس نہیں کیا تھا جتنے سرد یہ دو الفاظ تھے۔ وہ سیڑھی پر کھڑی تھی اور حیدر لان کی گھاس پر۔

"تمہیں مجھ سے کچھ نہیں کہنا؟" سبیلا کی خاموشی پر اس نے پوچھا۔

"مثلاً؟" اس نے سر اٹھا کر حیدر کو دیکھا، اسی اعتماد اور بے نیازی کے ساتھ جس نے اسے متاثر اور متوجہ کیا تھا لیکن اس وقت یہی دو خوبیاں اسے اداکاری لگیں۔

"خود کو کچھ اور بنا کر پیش کرنے، ایک غلط تاثر دینے، بے وقوف بنانے کی وجہ سے شروعات کرو۔"

www.urdunovelsmag.com

وہ بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سپاٹ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"میں نے ایک لفظ غلط یا جھوٹ نہیں کہا تھا، جو ہوں، جیسی ہوں ویسی ہی وہاں موجود تھی، آپ نے جو سوچا، جو تاثر لیا، جو رائے قائم کی، اس کی وجہ تو مجھے آپ بتائیں۔" اس وقت وہ سامعہ کے آگے سر جھکائے کھڑی سبیلا نہیں تھی بلکہ وہی بیلا تھی جس کے کھو جانے کا اسے افسوس تھا۔

"تو یہ میری غلطی ہے؟"

جنہیں ہم مجرموں کی طرح سر جھکائے دیکھنا چاہتے ہیں، وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے تو اس سے زیادہ طیش اور کسی بات پر نہیں آتا۔

"اس میں غلطی ڈھونڈنا ضروری ہے؟"

تمہارے مطابق کیا ڈھونڈنا چاہیے؟

کچھ نہیں۔ اتفاق اتفاق سے ہوتا ہے، اس میں کیوں کچھ تلاش کریں؟

"اتفاق سے ہوئی ملاقات میں گفتگو تو اتفاق نہیں ہوتی۔"

"اتفاق سے جڑی ساری چیزیں بھولنے کی ہوتی ہیں، اسے اہمیت نہ دیں۔"

"تم اب بھی سچ نہیں کہہ رہی ہو، جیسے تب نہیں کہا تھا۔" اس کا سرد لہجہ اور آواز کا غصہ قائم تھا۔

"آپ جس انداز میں مجھ سے بات کر رہے ہیں، آپ کو اس کا حق نہیں، میں اس گھر کی ملازمہ ہوں، وہ بھی کچن تک محدود ملازمہ، مجھ سے کام کہیں، حکم کریں، نہ کروں یا بگاڑ دوں تو بلاشبہ ڈانٹیں، سزا دیں یا نکال دیں لیکن اس طرح کے سوال جواب کی میں پابند نہیں۔"

"تو تمہارے مطابق تم نے کچھ غلط نہیں کیا؟"

"روز دادی کے جاگنے سے پہلے اس پوائنٹ پر جانا میری غلطی تھی، آپ چاہے تو میری یہ خطا یہاں سب کو بتا دیں۔"

اس کی باتیں درست تھیں اور وہ سمجھ کر چپ ہونے کے بجائے زیادہ جھلاتا جا رہا تھا۔ وہ جو اسے بہت کچھ کہنے آیا تھا اب اس کی سن رہا تھا۔ وہ اسے مغلوب دیکھنے آیا تھا اور اب اس کا غالب ہوتا انداز اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"انسانوں کو حیثیت کے مطابق ان کی اوقات میں رکھنا یہاں سبھی کا شیوہ ہے، آپ سے تم ہونے پر مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں رہا۔" وہ باورچی خانے کے ساتھ والے دوسرے کمرے کی طرف بڑھی جو اس کا کمرہ تھا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ رک گئی لیکن پلٹی نہیں۔

"بیلا مجھے میری امی کہا کرتی تھیں، اتنی نفرت کے ساتھ بیلا میرے لیے اجنبی ہے، مجھے سبیلا ہی پکاریں۔" اندر داخل ہو کر اس نے ہاتھ پیچھے لے جا کر دروازہ بند کر دیا۔

حیدر کچھ دیر وہاں کھڑا ان کی چند ملاقاتوں میں ہوئی گفتگو سوچتا رہا اور پھر اپنے کمرے کی سمت چل پڑا۔

بستر پر لیٹی سبیلا گہری سانس لیتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی، پھر بھی آنسو کنپٹیوں سے پھسل کر اس کے بالوں میں گم ہونے لگے۔

☆☆☆

اس نے ہوش سنبھالا تو گھر میں دادی اور امی کو ہی پایا۔ ابا یعنی وقار احمد کبھی کبھار گھر آتے بھی تو پیسوں کو لے کر دادی اور امی سے جھگڑا کرتے، کبھی دو چار دن رک جاتے، کبھی اسی وقت جو ہاتھ لگتا لے کر نکل جاتے۔ اس نے امی سے سنا تھا کہ اس کے ابا کی ایک اچھی ملازمت تھی جو دادا کے نوکری کے دوران حادثے میں جاں بحق ہونے کی وجہ سے انہیں ملی تھی۔ کچھ سال بعد کسی اور کی غلطی کی پاداش میں زیادتی ان کے ساتھ ہوئی اور انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اپنی واجبی سی تعلیم کے بل بوتے پر انہیں بہت کوشش کے باوجود ویسی نوکری دوبارہ نہ مل سکی۔ چھوٹے موٹے کام اور محنت مزدوری سے تنگ ہوئے اس کے ابا کو پھر چٹکیوں میں پیسے کمانے کے

www.urdunovelsmag.com
Scanned with CamScanner

لالچ میں جوئے کی لت لگ گئی۔ اس کے بعد مزید برائیاں خود بخود ان سے لپٹتی گئیں۔

دادی سلائی کرتی تھیں، امی جوان کی یتیم بھانجی تھیں، وہ بھی ان کا ہاتھ بٹاتیں۔ دادی کے انتقال کے بعد امی نے دو چار گھروں میں کھانا پکانے کا کام شروع کر دیا۔ حالات اتنے برے نہ ہوتے اگر ابا آئے دن امی کی محنت کی کمائی نہ لے جاتے۔ اب وہ بیوی پر ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ وہ پڑھائی میں اچھی تھی۔ امی کے بہت خواب تھے اس کے لیے۔ وہ بھی انہی ان خوابوں کی تعبیر دینے کے لیے پرعزم سی خوب محنت کر رہی تھی۔ اس نے باپ کی توجہ اور شفقت کبھی محسوس نہیں کی۔ بس ایک نام کا رشتہ تھا۔ وہ جب گھر آتے وہ کمرے میں بند ہو جاتی۔ ان کے لیے اس کے اندر کبھی انسیت یا اپنائیت نہیں جاگی تھی۔

ٹھیک ٹھاک چل رہی زندگی پٹڑی سے اس وقت اتری جب ایک دن پولیس گھر پہنچ گئی۔ انہیں وقار احمد چوری کی واردات میں مطلوب تھا۔ اب تک ہمدردی کرنے والے پڑوسی پولیس کے دروازے پر پہنچتے ہی بدل گئے۔ وہ پولیس کے معاملات میں پڑنا نہیں چاہتے تھے اس لیے انہیں اچھوت مان کر سب نے الگ تھلگ کر دیا۔ وقار احمد کے جیل جانے کے بعد بھی ان کی مشکلیں کم نہ ہوئیں۔ اس کا بی اے انگلش لٹریچر کا نتیجہ جس دن آیا وہ خوشی خوشی گھر پہنچی تھی جہاں امی کی بگڑتی حالت دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ امی کے ساتھ مرزا صاحب کے گھر صفائی کا کام کرنے والی بلقیس بی تھیں۔ وہ انہیں لے کر فوراً اسپتال بھاگی۔ بلقیس بی نے اسے بتایا کہ مرزا صاحب کی بیوی کا سونے کا ہار غائب ہے اور سب کو اس کی امی پر شک ہے۔ ان کے الزامات اور تلاشی کے بعد اس کی امی کی حالت بگڑ گئی تھی۔ شوہر کے کرتوت اور بدنامی سہہ رہی اس کی امی یہ الزام برداشت نہ کر سکیں۔ صدمے اور زخم سہہ سہہ کر کمزور ہوا دل دو دن بعد بند ہو گیا۔ اس افتاد پر وہ سن تھی۔ وقار احمد بیوی کی تدفین میں شامل ہوا نہ تنہا بیٹی کا خیال اسے گھر تک لا سکا۔ اس کی زندگی ماں سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی تھی۔ اب نہ ماں تھی نہ اس کے خواب نہ انہیں پورا کرنے کی چاہ۔ اسے سمجھ میں نہیں آتا وہ کیوں زندہ ہے اور کیوں اسے زندہ رہنا چاہیے۔

وہ روز بستر پر لیٹی چھت تکتی اپنے دل کے بند ہونے کا انتظار کرتی رہتی۔ اس ساری مشکل میں بلقیس بی ہی وہ مخلص تھیں جو اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ ان کا اپنا گھر مشکل سے چلتا تھا پھر بھی وہ روز اس کے لیے کھانا لے آتیں۔ رات میں اس کے پاس رکتیں۔ وہ جو اسے غموں اور مصیبتوں کی انتہا سمجھ رہی تھی کہ ایک نئی مصیبت گھر آ گئی۔ اس کی تنہائی کے خیال سے بلقیس بی اسے کچھ دن کے لیے اپنے گھر لے آئی تھیں۔ جہاں بمشکل اس کے سونے کی جگہ بن پاتی تھی۔

یہاں چند دن گزرے نہیں تھے کہ اس کے ابا کا قرض وصول کرنے وہ چلا آیا جس کا ذکر سنتے ہی اس پر دہشت طاری ہو جاتی تھی۔ عجیب کمینگی اور سفاکی تھی اس میں۔ بلقیس بی گھر سے اس کے کچھ کپڑے اور ضروری سامان لینے گئی تھیں جب جبار، وقار احمد کا قرض وصول کرنے اس کی بیٹی کو ڈھونڈتا وہاں پہنچا تھا۔ بلقیس بی نے بہانہ بنا کر گھر آ گئیں کہ وہ خود آج گھر آئیں تو یہاں کوئی نہیں تھا، وہ خود پریشان ہیں کہ تنہا لڑکی کہاں چلی گئی ہے۔ اس کے ڈر سے وہ بلقیس بی کے گھر ایک ہی جگہ بیٹھی رہتی، دروازے کھڑکی کے قریب بھی نہ جاتی۔ آخر ایک دن وہ ان کے گھر بھی پہنچ گیا۔ انہیں ڈرا دھمکا کر کسی بھی طرح سہیلا کا پتا تلاش کرنے کا حکم دے کر چلا گیا۔ بلقیس بی اس کی نیت اور ارادے بھانپ چکی تھیں۔ وہ اسی رات چھپ چھپا کر اسے شیخ صاحب کے یہاں لے گئیں، وہاں سے دوسرے دن ان کے ساتھ اس گھر میں آئی تب سے وہ یہیں تھی۔

''مجھے نہیں لگتا کوئی قرض ورض ہے، اس کی نظر

www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

تیرے پر ہے، کہہ رہا تھا پیسے نہیں ہیں مگر اس کی بیٹی تو ہے۔ تیری ماں بڑی نیک تھی مگر وہ میری طرح بڑے جگر والی نہ تھی۔ مجھے شیخ صاحب کی بہو نے بتایا ہے ان بی بی کا۔ ان کی بیٹی اسی اسکول میں جاتی ہے۔ وہ اپنا اسکول چلاتی ہیں، ضرورت مندوں کی مدد بھی کرتی ہیں، تو پڑھی لکھی ہیں، ان سے تیرے لیے نوکری کی بات کریں گے اور رہنے کے انتظام کی بھی۔ تیری مشکل انہیں بتاؤں گی تو شاید وہ کچھ نہ کچھ انتظام کر دیں۔ میں تجھے اپنے گھر چھپا کر نہیں رکھ سکتی۔"

وہاں پہنچ کر انہوں نے بڑی ممانی سے ملاقات کا عندیہ دیا۔ شیخ صاحب کی بہو دراصل بڑی ممانی کی شناسا تھی۔ اس نے انہیں ہی فون کیا تھا۔

"بلقیس، بھیجتی ہوں انہیں۔" یہ بشریٰ تھی۔

بلقیس بی برآمدے کے فرش پر بیٹھ گئیں ساتھ ہی ہاتھ کھینچ کر اسے بھی بٹھایا۔ اسے اس طرح برآمدے میں ایک طرف فرش پر بیٹھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"یہ کیا نوکری کرے گی وہاں، شافعہ کے اسکول کا اسٹینڈرڈ بہت اعلا ہے اور اسے تو وہاں رہنے کی جگہ بھی چاہیے؟" انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"جی بی بی جی۔" بلقیس بی نے عاجزی سے کہا۔

اسٹاف کے رہنے کا انتظام نہیں ہے اسکول میں، رکو میں شافعہ سے بات کر لیتی ہوں۔"

بڑی ممانی نے شافعہ سے یوں بات کی جیسے وہ کوئی آیا، ماسی یا چپراسی کی نوکری کے لیے آئی ہے۔

شافعہ نے رہائش کے انتظام سے تو انکار کر دیا۔ ہاں صفائی والی ماسی کی نوکری تھی۔

"بی بی جی، اس کے نہ ماں نہ باپ، نہ سر پر چھت، رہنے کو جگہ چاہیے۔" رہائش کا انتظام نہیں ہے سنتے ہی بلقیس بی نے التجا کی۔

"کوئی رشتہ دار نہیں ہے؟"

"نہیں، ہوتا تو یوں بے گھر نہ ہوتی۔" اب وہ کیا بتاتی کہ اس کا گھر تھا اور رشتہ بھی۔

"ہمیں کچن کے کام کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ کی ضرورت ہے، ہماری پرانی ملازمہ کی صحت اب ٹھیک نہیں رہتی، تینوں وقت کا پکانے میں مدد اور برتن وغیرہ یعنی کچن کا سارا کام، کھانے اور رہنے کے ساتھ ہزار روپے دوں گی، کرلو گی؟" انہوں نے سبیلا سے پوچھا۔

"اگر رہنے کو جگہ مل جائے تو ضرور کرے گی بی بی جی۔" بلقیس بی نے جواب دیا اور بڑی ممانی نے بشیراں کو آواز لگائی۔ یوں اس کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ کیسے خواب اور کون سی تعلیم! سر چھپانے اور ایک بدمعاش سے چھپنے کی خاطر اس کی عزت نفس اور خودداری گروی رکھ لی گئی۔

بشیراں کے ساتھ کمرے میں آتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ چلو جب تک وہ بدمعاش اسے بھول نہیں جاتا وہ کچھ دن یہاں گزار لیں گی۔ اس کی ماں نے بھی تو آخر اسی محنت اور مشقت سے اسے پڑھا لکھا کر قابل بنایا تھا اور کام کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا بس حلال ہونا اتنا کافی ہے۔ جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ دنیا اس کے خیالات سے بڑی مختلف ہے۔ امیروں کے نزدیک ملازم یعنی 'مالکوں کے ٹکڑوں پر پلنے والی' وہ حقیر قوم ہے، جو مروت اور عزت کے قابل نہیں۔

ابتدا میں وہ بشیراں خالہ کا ہاتھ ہی بٹاتی تھی۔ کبھی زندگی میں اتنا کام نہیں کیا تھا۔ رات کو تھک کر سوتی تو صبح ہی اٹھتی۔ کچھ سوچنے اور غور و فکر کا وقت ملتا تھا نہ توانائی بچتی تھی۔ وہ جسے کچھ دنوں کا قیام سمجھ رہی تھی وہ مستقل ہوتا گیا۔ بلقیس بی اس سے ملنے نہیں آتی تھیں۔ انہیں ڈر تھا کہ جبار ان کا پیچھا کرتے ہوئے سبیلا کا پتا نہ پالے۔ وہ ہی انہیں فون کر لیا کرتی۔ کچھ دن بعد انہوں نے بتایا کہ جبار نے گھر کا سارا سامان راستے پر پھینک دیا ہے مقصد یہی ہے کہ خبر سن کر وہ جہاں بھی ہے باہر آ جائے۔ انہوں نے

www.urdunovelsmag.com
TAGPK.COM

Scanned with CamScanner

اسے سخت تاکید کر رکھی تھی کہ گھر سے بالکل نہ نکلے۔

کچھ دن بعد اس نے گھر پر بھی قبضہ کر لیا۔ اب وہ اس کے کارندوں کا ٹھکانا تھا۔ رہا سہا آسرا اور گھر لوٹنے کی امید بھی ختم ہو گئی۔

بلقیس بی کے بعد بشیراں خالہ اس دنیا میں اس کی دوسری ہمدرد تھیں۔ اس کی محنت اور کام کے تئیں ذمہ داری کا احساس انہیں بہت خوش کرتا۔ وہ اس سے پہلے ہاتھ کے نیچے کام کرنے والی دوسری ملازماؤں کی طرح جان نہیں چراتی تھی، کام میں سلیقہ بھی تھا۔ اس کی سنجیدگی اور لگن دیکھ کر انہوں نے اسے سب کچھ سکھایا۔ آہستہ آہستہ وہ اس کی ہیلپر ہو گئیں اور سبیلا سب کام کرنے لگی۔ اس گھر کی عورتوں کی کھانا پکانے اور باورچی خانے میں دلچسپی صفر تھی۔ وہ کبھی جھانک کر نہیں دیکھتی تھیں۔ بشیراں خالہ اتنے سالوں میں ماہر ہو گئی تھیں۔ وہ ہی عرصے سے باورچی خانے کی انچارج تھیں اور اب انہوں نے کم وقت میں سب سبیلا کو سونپ دیا تھا۔ وہ بیوہ تھیں۔ ان کی ایک شادی شدہ بیٹی تھی۔ کبھی کبھی اس سے ملنے جاتی تھیں ورنہ یہی ان کا ٹھکانا تھا۔

اس دوران اور بھی کئی حادثے ہوئے اور سبیلا نے زندگی کے سکھائے سبق کڑوے گھونٹ کی طرح حلق سے نیچے اتار کر جینا سیکھ لیا۔ ان سب کے رویوں پر اس کے اندر کبھی کبھی آگ لگ جاتی کہ ایسے ہی مالکوں نے اس کی ماں پر الزام لگا کر اسے موت کے قریب کر دیا تھا۔ وہ ہار بعد میں ان کے گھر سے ہی برآمد ہوتا تھا جو اس کی ماں کے گلے کا پھندہ بن گیا تھا۔ اس نے بلقیس بی سے کئی بار کہا کہ وہ بد معاش اسے بھول گیا ہوگا، اب اسے اپنے گھر جا کر رہنا ہے لیکن وہ اسے ہر بار روک دیتیں کہ اس گھر میں جا کر رہنے کا سوچو بھی مت۔ اور بھی کئی لوگ تاک میں ہیں اور تم بالکل تنہا ہو، اس کے لیے اس گھر سے محفوظ جگہ کوئی اور نہیں۔

دو سال میں اسے گھر کی اکلوتی بہو سار یہ جیسی ہمدرد بھی مل گئی تھی۔ وجہ اس کی تعلیم ہی بنی تھی۔

سار یہ کے بیٹے اشہاد کو ہوم ورک میں انگلش کے مترادف الفاظ لکھنے تھے۔ وہ آخری وقت میں ناشتے کی میز پر اپنا کام مکمل کر رہا تھا۔ وہاں موجود سامعہ اور سار یہ اس کی مدد کر رہی تھیں۔

"گڈ۔" اس نے لفظ بولا۔

"ایکسیلینٹ، گریٹ۔"

"ون مور، تھری ورڈز لکھنے ہیں۔" سامعہ نے جواب دیا۔

"فائن۔" سار یہ کو یاد آیا۔

"ہاٹ۔"

"ہمم ...... برننگ۔" اس بار سامعہ نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا تھا۔

"اور دو......"

"سوچنے تو دو، نیکسٹ ورڈ کیا ہے؟"

"اسمال۔"

"لطل۔ منی، ٹائنی۔"

"ہارڈ۔"

"ٹف۔ ڈیفیکلٹ۔"

"آپ ...... ایک ہی بتا رہی ہیں۔ آپ بھی تو سوچیں، ہوم ورک آپ کا ہے۔" سار یہ نے یاد دلایا۔

"رکو میں فون لے آتی ہوں، چارج پر رکھا تھا، گوگل کریں گے سب۔" سامعہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ فون لے کر واپس آئی۔

"اب بتاؤ ورڈز، تین کیا دس مل جائیں گے۔"

"ہو گیا کمپلیٹ ہوم ورک۔" وہ اپنے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے خوشی سے بولا۔

"ارے واہ! بھابھی نے بتایا یا تم کو یاد آ گئے؟"

"یہ آنٹی کو یاد ہیں سب۔" اس نے میز سے خالی اور جھوٹے برتن اٹھاتی سبیلا کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے حیرت سے سار یہ کو دیکھا جس نے مسکرا کر تائید کی۔

یہیں سے دوستی اور دشمنی کی ابتدا ہوئی تھی۔

سار یہ اکثر اس سے اشہاد کی پڑھائی میں مدد لینے لگی

TAGPK.COM
www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

تھی اور سامعہ نے بغور اس کا مشاہدہ شروع کیا۔ وہ ملازمین میں جی حضوری دیکھنے کی عادی تھی۔ اس کے برعکس سبیلا اسے مغرور لگی، احسان فراموش بھی۔ اسی نے اس کی ذرا ذرا سی غلطیوں پر اسے ڈانٹنا اور بے عزت کرنا شروع کیا۔ جو نہیں دیکھ پاتا اسے بھی وہ اس کی کمیاں، غلطیاں اور کوتاہیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بتاتی رہتی۔ سبیلا نے ایک دو بار وضاحت اور صفائی دینے کی کوشش کی مگر جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ مزید عتاب کو دعوت دینے کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس لیے اس نے خاموشی اوڑھ لی۔ اور یہ بات سامعہ کو اور بھی بری لگ گئی۔

ڈیڑھ سال میں وہ سب کے متعلق جان چکی تھی۔ گھر کی عورتوں کو باورچی خانے اور پکانے سے رتی برابر بھی دلچسپی نہ تھی، اس لیے دائیں طرف اس کی آمد و رفت بھی کھانے کے اوقات تک محدود تھی۔ بڑے ماموں یعنی شفیع احمد کی ایک ہی بیٹی تھی سامعہ۔ ان سے چھوٹے رفیع احمد کے تین بچے تھے، اعظم، آئمہ اور بشریٰ۔ شافعہ، علیم النساء یعنی دادی کی بیوہ بیٹی تھیں، جن کا اپنا اسکول تھا۔ تعلیم یافتہ ہونے کا اثر تھا یا مزاج کا کہ شافعہ کا رویہ اس کے ساتھ تحقیر آمیز نہ تھا۔ ان کا بیٹا حیدر اعلا تعلیم کے لیے بیرون ملک گیا ہے، وہ یہ بھی جانتی تھی لیکن حیدر کا تعارف سن کر اسے ہلکا سا بھی شبہ نہیں ہوا تھا کہ یہ وہ ہی حیدر ہو سکتا ہے۔ علیم النساء، گھر کی بزرگ تھیں اور اپنا زیادہ وقت تلاوت عبادت میں گزارتی تھیں۔ انہیں شور، گندگی اور کام کے اوقات میں دیری بالکل پسند نہ تھی۔ وہ گھر والوں کے ساتھ کھانے کی میز پر بھی نہیں آتی تھیں۔ اپنے بہت زیادہ وزن اور چلنے پھرنے میں مشکل کی وجہ سے وہ اپنے کمرے تک ہی محدود تھیں۔ گھر کے معاملات میں سخت اصول پسند تھیں۔ بیٹے اور بہوئیں دونوں وقت ان کے کمرے میں لازمی حاضری لگاتے تھے۔ ان کی کتاب اصول میں یہ مالکوں کی ذمہ داری تھی کہ گھر کے ملازمین ہڈ حرام نہ ہو جائیں۔ وہ انہیں ہمہ وقت کام میں مصروف دیکھنے کی قائل تھیں۔ یہ ہی اصول باقیوں نے بھی اپنا لیا تھا۔

ان کے فیملی ڈاکٹر کے مشورے پر جب انہیں ہل اسٹیشن بھیجنے کی تیاری شروع ہوئی تو پوتیوں نے ان کے ساتھ جانے سے منع کر دیا۔ آخر میں اس کام کے لیے سبیلا پر سب کی نظر ٹھہری۔ ڈرائیور کے ساتھ ہل اسٹیشن روانہ ہونے سے پہلے ساریہ اس کے کمرے میں آئی تھی۔

''برا نہیں ماننا سبیلا، یہ سب نئے کپڑے میں نے بڑی شوق سے خریدے تھے لیکن ویٹ گین کی وجہ سے چند دن بعد ہی ٹائٹ ہو گئے۔ تم کچھ دن کے لیے یہاں سے دور جا رہی ہو تو اچھے سے انجوائے کرنا، یہ جاگرز اور کپڑے اگر تم پہنو گی تو مجھے خوشی ہو گی۔ میں جانتی ہوں تم انہیں اس گھر میں نہیں پہننا چاہو گی۔ اس لیے اب تک اپنے پاس ہی رکھے تھے۔''

گزرے ڈیڑھ سال میں ساریہ اس کی واحد ہمراز تھی۔ اسے اس کے خلوص پر شک نہیں تھا۔ اس نے ذاتی کوشش بھی کی کہ گھر والوں کو ان کے رویے کی بدصورتی کا احساس کرائے، جس پر ایک الگ محاذ کھل گیا تھا کیوں کہ وہ گھر کی بہو تھی۔ پھر اعظم نے اسے سختی سے اس معاملے میں منہ بند رکھنے کو کہا تو اسے خاموش ہونا پڑا۔ اس نے ساریہ کا دل رکھنے کو وہ سب ساتھ رکھ لیا تھا۔

ڈرائیور انہیں پہلے سے بک کاٹیج چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اب اس نے بارہ دن بعد انہیں لینے آنا تھا۔ علیم النساء یہاں بھی اسے سارا دن مصروف رکھتیں۔ ناشتا اور دو وقت کا تازہ بنا کھانا، ان دو کمروں کی صفائی، کپڑے دھونا، باہر کاٹیج کے صحن کی جھاڑو، سر میں تیل لگانے سے لے کر پیر دبانے تک اور بھی کئی کام ہوتے تھے۔ بازو والے کاٹیج میں ٹھہری ان کی ہی ہم عمر پنجابی آنٹی کو بھی انہوں نے اول دن ہی بتا دیا تھا کہ وہ ان کی میڈ ہے۔ وہ بھی اپنے چھوٹے موٹے کام اس سے کرواتیں۔ کام سے زیادہ اسے

www.urdunovelsmag.com
TAGPK.COM

Scanned with CamScanner

ان کی نظر تھکا دیتی تھی۔ وہی ملازم کے کم تر اور حقیر ہونے کا اعلان کرتی نظر۔

علیم النساء سے یہاں کے ماحول کی سردی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ بمشکل فجر کے لیے اٹھتیں اور پھر سوتیں تو نو ساڑھے نو تک سوتی رہتیں۔ وہ نیند کی بڑی پکی تھیں۔ تین دن اس نے انہیں یوں بے خبر سوتے دیکھا۔ چوتھے دن اس نے ساریہ کا دیا جوڑا اور جاگرز پہنے اور باہر نکل آئی۔ یہ بھی اچھا تھا کہ بازو والی آنٹی دادی سے بھی لیٹ جاتی تھیں۔

کاٹیج کے قریب یونہی گھومتے ہوئے وہ اس ایکو پوائنٹ تک پہنچی تھی۔

وہ ڈیڑھ سال سے ایک خود ساختہ قیدی کی سی زندگی گزار رہی تھی۔ لان اور چھت پر جانے کے علاوہ وہ کبھی گیٹ سے باہر نہیں نکلی تھی۔ یہ خوب صورت جگہ اس کے لیے بڑی نعمت تھی۔ پہلے دن تو وہ ریلنگ کے پاس کھڑی ہو کر خوب روئی تھی۔ کھلی فضا، آزادی اور تنہائی سے اس کا دل بھر آیا تھا۔ اسے اپنی بدلی زندگی کے متعلق سوچنے کا وقت ملا تھا۔ وہ غریب سہی لیکن اپنے گھر کی رانی تھی۔ کالج میں ذہانت کی وجہ سے مشہور تھی۔ بہن بھائی اور خالہ چاچا نہ تھے لیکن ماں نے محبت میں کوئی کمی نہ رکھی تھی۔ خوش حال اور سنہرے مستقبل کے خواب اور امید پوری کرنے کی خواہش میں وہ زندگی کو آسودگی سے جی رہی تھی۔ اپنی ماں کے ساتھ ہنستی مسکراتی تھی، ٹیسٹ اور امتحانوں کی کامیابی پر خوشیاں مناتی تھی، پورے جوش کے ساتھ آگے کے منصوبے بناتی تھی۔ اور اب پچھلے ڈیڑھ برسوں میں اس کی شخصیت کی ساری خوبیاں کہیں گم ہو گئی تھیں۔ وہ بس نوکرانی تھی، جس کے حصے میں سرد اور تحقیر بھرے لہجے میں ملنے والے احکام ہی بچے تھے۔

دوسرے دن اس نے اپنے اندر دبی ساری چیخیں باہر نکالی تھیں جو لوگوں کے رویوں سے اس کے اندر احتجاجاً جمع ہو گئی تھیں اور تب اسے پتا چلا تھا کہ یہ ایکو پوائنٹ ہے۔ واپس آ کر وہ علیم النساء کے جاگنے سے پہلے کپڑے تبدیل کر لیتی تھی۔ وہ ساریہ کی دی ہوئی چیزیں انہیں بتانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ساریہ کے لیے بھی کوئی پریشانی کھڑی ہونے کا ڈر اس سے یہ احتیاط کروا رہا تھا۔

اس نے یہاں پہلی بار اپنے مستقبل کے متعلق سوچا کہ وہ کب تک اس گھر میں ملازمہ بنی رہے گی، کب تک لوگوں کے ڈر سے چھپی رہے گی، اسے تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھانا ہوگا، کوئی عزت دار نوکری ڈھونڈنا ہوگی۔ اس نے تہیہ کیا کہ گھر جا کر وہ ساریہ سے اس متعلق بات کرے گی اور سب سے پہلے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کرے گی۔ کچھ دیر کی آزادی اور کھلی فضا نے جیسے اس کا ذہن کھول دیا تھا۔

تیسرے دن وہ اپنی دھن میں وہاں پہنچی تھی۔ اپنی دانست میں وہ پچھلے دو دنوں کی طرح آج بھی تنہا تھی لیکن جب اپنی ہی آواز کی بازگشت سنتے ہوئے سر گھمایا تو ایک اجنبی اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ دراز قد بندہ بلا کا جاذب نظر اور اسمارٹ تھا۔ سیاہ ٹریک پینٹ پر خاکی ہوڈی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ مسکرا رہا تھا۔

"ہیلو، گڈ مارننگ۔"

اس کی خوب صورتی نے نہیں اسے اس کے چہرے پر پھیلے تجسس اور آنکھوں سے جھانک رہے احترام نے چونکایا تھا۔ وہ اپنے لیے لوگوں کے اس عام تاثر کو بھول گئی تھی جو ہم اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو دیتے ہیں۔ اس نے بال باندھ کر دوپٹا درست کیا اور پل بھر میں ہی وہ کالج والی پراعتماد سبیلا بن گئی تھی۔

"ہاں میں سبیلا سیمن ہوں، اپنے کالج کی ٹاپر اور سب سے لائق اسٹوڈنٹ۔" اس نے خود کو یقین دلاتے ہوئے سامنے پھیلے پہاڑوں کو دیکھا۔

"بہت خوب صورت منظر ہے۔" سر سے ہوڈی کا کیپ گرا کر اس کی طرف آتے ہوئے وہ جیسے اس کا خیال سن چکا تھا بھی تو اگلا جملہ انگریزی میں کہا اور وہ اس کی طرف دیکھ نہ سکی۔ ذرا دیر اس کی

نظریں مسلسل خود پر محسوس کرنے کے بعد اس نے وہ ہی کہا جو کبھی با اعتماد سبیلا کہہ سکتی تھی۔ وہ پہلے حیران ہوا پھر تھوڑا سا شرمندہ۔

اس کے بعد بھی وہ بات بڑھاتا رہا۔ ہوٹل کا نام پوچھنے پر اسے لگا کہ اس سے پیچھا چھڑا لینا بہتر ہوگا سو وہ اسے غصہ دلانے اور حوصلہ پست کرنے والے جواب دے کر وہاں سے نکل گئی لیکن وہ بھی پکا تھا اس کے پیچھے چلا آیا۔ جب اس نے ایمان داری سے کہا کہ اس کے رویے نے اسے تجسس میں مبتلا کیا ہے تب اس کے اندر ایک انوکھی ہلچل ہوئی تھی۔ وہ فلرٹ نہیں تھا تو وہ بھی کوئی دل پھینک لڑکی نہیں تھی مگر ایک لمبے وقت کے بعد جنس مخالف کی اس میں دلچسپی کا کچھ تو اثر ہونا تھا۔ اسے مایوس کرتی وہ لوٹ گئی۔

اگلے دن وہ ذرا لیٹ وہاں پہنچی تھی۔ وہ اسے وہاں دیکھنا بھی چاہتی تھی اور پھر خود کو سمجھا بھی رہی تھی کہ کیا ہو گیا ہے تمہیں! یہ سچ تھا کہ وہ کل سے اب تک اس کی پہلی نظر نہیں بھول پائی تھی۔ کسی کی 'بیسک کرٹسی' اس کے لیے اتنی خاص ہو گئی تھی، یہ احساس اسے عجیب قنوطیت میں مبتلا کر رہا تھا۔

اسے وہاں پہلے سے منتظر دیکھ کر لب خود بخود مسکرا اٹھے تھے۔ کسی سے اس طرح باتیں کیے طویل عرصہ ہو گیا تھا اس لیے اسے یہ لایعنی، بے معنی گفتگو اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے اس دن زیادہ سوچا نہیں۔ حیدر کی طویل ہوتی نظریں خود پر محسوس کر کے اس نے سوچا۔

کیا فرق پڑتا ہے، ہم نے پھر کہاں ملنا ہے۔

جب وہ اپنا نام بتا کر اس کا نام سننے کا منتظر تھا تو اسے اپنا نام بتاتے ہوئے اس نے خود سے کہا تھا۔

''میں شاید کچھ دنوں کے لیے کوئی اچھی یاد بن کر اس کے ذہن میں رہوں اور میں بیلا بن کر یاد رہنا چاہتی ہوں جو میری سب سے اچھی یاد ہے۔''

اسی دن واپس کالج جاتے ہوئے اس کے اندر خیال گونجا تھا۔

''میں بھی تو اس مختصر وقت کو ایک اچھی بات، ایک حسین ملاقات، ایک خوب صورت یاد اور کوئی اچھوتا احساس بنا کر اپنے پاس سنبھال سکتی ہوں۔ تلخ، ترش، ذلت اور نفرت آمیز رویوں کے کانٹوں سے ڈھکی اس راہ گزر پر اک خوش رنگ گٹھڑی کی زاد راہ بری تو نہیں...... اپنی بے رنگ زندگی میں بھی دل بہلانے کے لیے اسے کھول کر ان رنگوں سے دل خوش کر لینے کا حق تو ہے میرا۔ یہ میرا دل اتنی رعایت تو ڈیزرو کرتا ہے ناں۔''

پھر اس نے اس تھوڑے سے وقت کو دل و ذہن میں سینت کر رکھنا شروع کیا۔ بستر پر لیٹی وہ ساری گفتگو دہراتی رہتی۔ اس وقت وہ اپنی امی کی بیلا ہوتی، کسی امیر گھرانے کی ملازمہ نہیں۔

انہیں یہاں آئے بارہ دن ہو گئے تھے آج ڈرائیور انہیں لینے آنے والا تھا۔ وہ جانے کے لیے تیار ہو کر بیٹھی تھی۔ آج علیم النساء بھی جلدی جاگ گئی تھیں۔ ان کے کہنے پر اس نے ڈرائیور کو فون کیا تو پتا چلا اس کے پہنچنے میں ابھی دو گھنٹے اور ہیں۔ اس نے ہمت کر کے ان سے پوچھ لیا۔

''سب کام ہو گئے ہیں، پیکنگ بھی کر لی ہے، میں کچھ دیر یونہی قریب کا ایک راؤنڈ لگا کر آؤں؟''

اور انہوں نے ہنکارا بھر کر اجازت دے دی۔

''زیادہ دور مت جانا اور جلدی آنا۔'' اس کے دروازے سے قدم باہر نکالا ہی تھا کہ پیچھے سے کڑک دار آواز میں حکم آیا۔

''جی۔'' کہتی وہ تیزی سے باہر آ گئی کہ کہیں وہ ارادہ نہ بدل لیں۔

وہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ گئی تھی۔ اس دن موسم اس کے خلاف ہو گیا۔ بارش شروع ہوتے ہی اسے دیر ہونے کا خوف ستانے لگا۔ اتنے دنوں میں اس نے اپنے لیے کئی نئے احساسات پہلی بار حیدر کے چہرے پر دیکھے تھے لیکن اس دن پیڑ کے نیچے وہ جو اس کے لیے فکر مند ہوا تھا، اس کی فکر مندی پر پریشان ہو کر اسے حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اس کے لیے بہت زیادہ تھا۔ یہ رنگ گٹھڑی میں بند

www.urdunovelsmag.com
TAGPK.COM

Scanned with CamScanner

کرنے والا نہیں تھا یہ تو اس کے دل میں کھب گیا تھا۔ اور جب جاتے ہوئے اس نے پکارا۔

"بیلا!"

اسے رونا آگیا۔ اس پر انکشاف ہوا اس کی نظریں اور چہرے پر پھیلا اپنائیت کا نرم سا احساس اس کا سینہ خالی کر چکا ہے۔ وہ پلٹی تو بھیگے چہرے نے آنسوؤں کی لاج رکھ لی تھی۔ جانے وہ کیا کہنے جا رہا تھا کہ ارادہ بدل کر اسے سنبھل کر جانے کو کہا، وہ سر ہلا کر پلٹ گئی۔ کالج تک پہنچنے تک جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے وہ روتی رہی تھی۔ اسے اپنی مرضی سے رونے کی اجازت تھی نہ رونے کے لیے خالی وقت میسر تھا۔ کالج کے قریب پہنچ اس نے چہرہ صاف کر کے جیکٹ اتار دی، اسے علیم النساء کی نظروں سے بچا کر اپنے سامان میں رکھنا جوئے شیر لانے جیسا تھا۔

وہ تو شکر تھا کہ اس وقت پڑوس والی پنجابی آنٹی ان کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے جیکٹ دروازے کے باہر ہی رکھ دیا اور فوراً سامان اور بیگ باہر لے جا کر رکھنا شروع کیے کہ ڈرائیور پہنچتا ہی ہوگا اور وہیں جیکٹ خشک کر کے اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا۔ واپسی کا سارا راستہ وادی دل میں اس "بیلا!" کی بازگشت ہوتی رہی۔

اس نے زندگی کے لیے جو سہولت اور دل کے لیے جو رعایت اکٹھا کی تھی، قسمت کو منظور نہ تھی۔ دو دن بعد ہی باورچی خانے میں کام کے دوران اس نے گھر آئے حیدر کی آواز سنی اور ہاتھ میں پکڑی سبزی کی ٹوکری چھوٹ گئی۔ اسے شک نہیں تھا پھر بھی اس نے دروازے سے جھانک کر دیکھا اور پلٹ کر آنکھیں میچ لیں۔

"یا اللہ! یہی تو مانگا تھا کہ اب کبھی ہمارا سامنا نہ ہو، ہم کبھی نہ ملیں، اتنا مشکل تو نہ تھا یہ، ساری دنیا میں یہی گھر کیوں؟ یہی بندہ کیوں؟ میں ہی کیوں؟ وہ ہی کیوں؟"

اس نے خود کو باورچی خانے تک محدود کر لیا۔ ساریہ اور بشیراں سے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیا اور ان دونوں نے ہر ممکن مدد کی کہ اسے میز کے چکر نہ لگانے پڑیں۔ اسے حیدر کی بات بھی یاد آئی اور وہ شدت سے دعا کرنے لگی تھی وہ یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لے۔ آخر کب تک بچتی! سامنا بھی ہو ہی گیا۔

حیدر کی پھوپھو کی یہاں ان سب کی دعوت تھی۔ شافعہ نے ان کے لیے مٹھائیاں اور تحائف منگوائے تھے۔ وہ علیم النساء کے کمرے سے ان کے سر میں تیل لگا کر، چوٹی بنا رہی تھی۔ یہ اضافی ڈیوٹی ہل اسٹیشن کے بعد سے اس کے ذمہ آگئی تھی۔ وہ فارغ ہو کر باہر نکلی ہی تھی کہ شافعہ کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے چھوٹی ممانی نے کاغذی تھیلی اسے تھما کر کہا کہ شافعہ کو دے آؤ۔ وہ اس طرف بھی نہیں گئی تھی اور یہ وقت آیا بھی تو کب۔

"کون سے مراقبے میں چلی گئی، جلدی کرو۔"

چھوٹی ممانی کی بات پر اسے آگے بڑھنا پڑا۔

دروازے کے باہر رک کر اس نے گہری سانس لی۔ ایک ہی چھت کے نیچے رہتے اس کا حیدر سے چھپا رہنا ناممکن تھا۔ خاص طور پر اس وقت جب شافعہ کی میزبانی ڈیوٹی ایسی تھی۔ سر جھکائے اندر داخل ہو کر اس نے کاغذی تھیلی بنا کچھ کہے میز پر رکھی اور باہر نکل گئی۔ حیدر کی نظریں اور شافعہ کی آواز دونوں اس کے ساتھ باہر آئی تھیں۔ اب آنکھ مچولی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

"میں نے تو بس دل کے ایک گوشے میں یادوں کا چھوٹا سا دلنشیں جہاں آباد کرنا چاہا تھا کہ زندگی کی وحشتوں سے گھبرا کر ادھر دیکھ لیا کروں گی کیا خبر تھی یہ گوشہ بھی وحشت بڑھانے کا خطاوار ہوگا۔"

اس نے بستر سے اٹھتے ہوئے سوچا۔ باورچی خانے کے کام اسے بلا رہے تھے۔ وہ چہرے پر پانی کے چھینٹیں مار کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

حیدر نہ ناشتے کے لیے میز پر آیا نہ دن بھر نظر آیا۔ اس نے سامعہ اور آئمہ سے سنا کہ وہ ممبئی گیا

TAGPK.COM
www.urdunovelsmag.com

CS Scanned with CamScanner

ہے۔ وہ رات گیارہ بجے لوٹا تھا۔ شافعہ نے پیغام بھجوایا تھا کہ اس کے لیے کھانا میز پر لگا دیا جائے۔ اسے خواہش نہیں تھی لیکن ماں کو انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شافعہ کے ساتھ میز پر آیا تو وہ نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کے ساتھ میز پر پلیٹیں اور پیالے رکھ رہی تھی۔ کھانے کے دوران شافعہ اس سے اس کی ممبئی ٹرپ کے متعلق باتیں کر رہی تھیں۔ وہ دوستوں سے ملنے گیا تھا جن کے پاس کچھ اسٹارٹ اپ آئیڈیاز تھے۔

"تو تم نے ڈیسائیڈ کر لیا پھر؟"

"ابھی نہیں امی، ویسے میرا انٹرسٹ جاب میں ہی ہے۔"

اس کا کھانا ختم ہوا تو شافعہ نے سبیلا کو آواز لگائی۔ اس نے آکر اس کے آگے سے برتن اٹھا لیے، جس کے لیے اس نے دو چکر لگائے تھے۔

"چائے یا کافی لو گے؟ ویسے جانے دو ورنہ نیند نہیں آئے گی۔"

"کافی، اتنا تھک گیا ہوں کہ کافی کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔"

"سبیلا! حیدر کے لیے کافی بنانا۔" شافعہ نے باورچی خانے کے دروازے کی سمت منہ کر کے آواز لگائی۔ اسے ایک بار پھر باہر آنا تھا۔

"تمہارے بڑے ابو کا فون آیا تھا، وہ بھی دعوت دینا چاہ رہے ہیں۔"

"یہ دعوتیں میری سمجھ سے باہر ہیں، دو سال بعد واپس لوٹ کر میں نے ایسا کون سا کارنامہ انجام دے دیا ہے کہ سب وی آئی پی ٹریٹمنٹ دینے لگے؟"

"تم خاندان کے پہلے فرد ہو جس نے فارن ڈگری حاصل کی ہے، پھر اس فیلڈ میں ماسٹرز بھی کسی نے نہیں کیا تھا اب تک، اور سب سے اہم عنقریب مجھے تمہاری شادی جو کرنا ہے۔" وہ مسکرائیں۔

"اچھاااا....."

"تمہارے ذہن میں کوئی ہے تو بتا دو۔"

"فی الحال تو کوئی نہیں امی۔" اس نے دل کا احتجاج نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

سبیلا نے کافی کا مگ اس کے آگے رکھا اور پھر باورچی خانے میں گم ہو گئی۔

شافعہ بولتی رہیں اور وہ خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ کچھ دیر بعد سبیلا کو آواز دے کر مگ لے جانے کا کہہ کر وہ اٹھ گئیں۔ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اس کی سمت نہیں دیکھا تھا۔ شافعہ اسے کمرے تک چھوڑ کر، سونے کی تاکید کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"انسانوں کو حیثیت کے مطابق انہیں ان کی اوقات میں رکھنا یہاں سبھی کا شیوہ ہے، آپ سے تم ہونے پر مجھے اس میں کوئی شک نہیں رہا۔"

"میں نے ایک لفظ غلط یا جھوٹ نہیں کہا تھا، جو ہوں جیسی ہوں ویسی ہی وہاں موجود تھی، آپ نے جو سوچا، جو تاثر لیا، جو رائے قائم کی، اس کی وجہ تو مجھے آپ بتائیں۔"

"اتفاق سے جڑی ساری چیزیں بھولنے کی ہوتی ہیں، اسے اہمیت نہ دیں۔"

"بیلا مجھے میری امی کہا کرتی تھیں، اتنی نفرت کے ساتھ بیلا میرے لیے اجنبی ہے، مجھے سبیلا ہی پکاریں۔"

بستر پر کروٹیں بدل بدل کر اور سر جھٹک جھٹک کر وہ تھک گیا لیکن سبیلا کے جملوں کی بازگشت اسے سونے نہیں دے رہی تھی۔

وہ جس بیلا سے ملا تھا وہ تعلیم یافتہ اور ویل مینرڈ تھی، وہ اس طبقے سے نہیں لگتی تھی جو یوں گھروں میں ملازم ہوتے ہیں پھر یہ ملازمت کیوں؟ صبح اس سے بات کرنے کے بعد اس کا غصہ زائل ہو رہا تھا۔ سبیلا کی باتیں اسے اس وقت اچھی نہیں لگی تھیں مگر دن بھر وہی باتیں سوچ سوچ کر اب وہ ان میں چھپا درد، غصہ اور مجبوری سمجھ پا رہا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ ابھی جا کر اس سے سارے جواب طلب کرے لیکن وہ صبح اس کا رویہ دیکھ چکا تھا اور اس کے ساتھ گھر والوں کا

www.urdunovels.com

رویہ بھی۔

☆☆☆

رت جگے کا اثر تھا کہ وہ سب کے ساتھ ناشتے پر موجود نہیں تھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر ڈائننگ والے حصے میں پہنچا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ فون پر شافعہ کا پیغام پڑھ رہا تھا جو اسے ٹھیک سے ناشتا کرنے کے بعد گھر سے نکلنے کا کہہ رہی تھیں کہ بڑی ممانی نے پیچھے سے آواز دی۔

''اٹھ گئے تم، آج تو بہت دیر کر دی۔''

''جی، کل کی تکان کچھ زیادہ تھی۔''

''ناشتا کیا؟''

''نہیں، بس ابھی آیا ہوں۔''

انہوں نے بشیراں خالہ کو آواز لگائی۔ جو چند سیکنڈ بعد حاضر تھیں۔

''سبیلا سے کہو حیدر کو ناشتا بنا دیں اور تم ذرا میرے ساتھ چلو، پلنگ ہٹا کر کمرے کی صفائی کرنا ہے۔''

بشیراں نے اندر جا کر سبیلا کو پیغام دیا اور پھر دونوں چلی گئیں۔

وہ اپنے کل والے رویے کے لیے سوری کرنے کے لیے الفاظ ترتیب دے رہا تھا۔ سبیلا آئی اس سے پہلے سامعہ آ گئی۔

''کالج نہیں گئیں؟'' وہ کرسی کھینچ کر اس کے بازو میں بیٹھی تو حیدر نے پوچھا۔

''ہو گئے میرے ایگزامز، پرسوں ہی تو بتایا تھا۔''

اوہ! میرے ذہن سے نکل گیا شاید۔''

''کہیں لے ہی چلیں اب آؤٹنگ کے لیے یا شاپنگ کو۔''

''تمہیں پتا تو ہے مجھ سے نہیں ہوتے یہ کام۔''

''یعنی پردیس کی ہوا بھی آپ کو بدل نہیں سکی۔'' وہ ہنس دیا۔ تبھی سبیلا ٹرے لے کر آئی۔

''کیوں بشیراں خالہ نہیں ہیں؟''

''نہیں۔'' سبیلا نے دوسری طرف سے آ کر ٹرے حیدر کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

''کہاں گئی ہیں وہ؟''

''آپ کی ممی ساتھ لے گئی ہیں۔'' وہ جواب دے کر باورچی خانے میں جانے لگی تھی کہ سامعہ بگڑ گئی۔

''میں بات کر رہی ہوں ناں، ذرا تمیز نہیں ہے کہ رک کر سنو۔''

''چولھے پر رکھی سبزی جل جائے گی۔'' وہ رکی نہیں تھی اور سامعہ کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

''اس کو تو میں.....'' وہ کرسی کھسکا کر کھڑی ہوئی۔ اس کا ارادہ باورچی خانے میں جا کر سبیلا کی خبر لینے کا تھا۔

''سامعہ!'' حیدر نے اسے پکارا۔

''ریلکس، کیوں اتنا ہائپر ہو رہی ہو؟ یہ چائے لو۔'' اس نے ٹرے سے کپ اٹھا کر اس کے آگے رکھا۔

''یہ دیکھیں، کون چائے بھی ساتھ میں دیتا ہے، آملیٹ کھائیں گے تب تک چائے ٹھنڈا پانی ہو جائے گی، لے لو۔''

''میں نے کہا تھا ایک ساتھ دینے کا۔'' حیدر کی بات پر وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''یعنی آپ نے اس سے بات کی؟'' اس نے ہاتھ اٹھا کر باورچی خانے کی سمت اشارہ کیا۔

''ہاں، اتنی حیرت کیوں؟'' اب وہ حیران تھا۔

آپ جانتے نہیں اسے۔ اسے منہ لگانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔''

''ایسا کچھ نہیں تم اوور ری ایکٹ کر رہی ہو۔'' وہ سامعہ کا مزاج جانتا تھا اس لیے تحمل سے کہا۔ اسے علم تھا کہ اس کی طرف داری سامعہ کی نفرت اور غصہ بڑھا دے گی۔

''تمہیں باہر جانا تھا نا، جلدی سے چائے ختم کرو، اب میرا موڈ بن گیا ہے۔'' اس اچانک سرپرائز پر وہ واقعی سبیلا کو بھول گئی۔

اندر سبیلا لب بھینچے کام میں مصروف تھی لیکن بار

www.urdunovelsmag.com

ہے۔ وہ رات گیارہ بجے گھر لوٹا تھا۔ شافعہ نے پیغام بھجوایا تھا کہ اس کے لیے کھانا میز پر لگا دیا جائے۔ اسے خواہش نہیں تھی لیکن ماں کو انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شافعہ کے ساتھ میز پر آیا تو وہ نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کے ساتھ میز پر پلیٹیں اور پیالے رکھ رہی تھی۔ کھانے کے دوران شافعہ اس سے اس کی ممبئی ٹرپ کے متعلق باتیں کر رہی تھیں۔ وہ دوستوں سے ملنے گیا تھا جن کے پاس کچھ اسٹارٹ اپ آئیڈیاز تھے۔

"تو تم نے ڈیسائیڈ کر لیا پھر؟"

"ابھی نہیں امی، ویسے میرا انٹرسٹ جاب میں ہی ہے۔"

اس کا کھانا ختم ہوا تو شافعہ نے سبیلا کو آواز لگائی۔ اس نے آ کر اس کے آگے سے برتن اٹھا لیے، جس کے لیے اس نے دو چکر لگائے تھے۔

"چائے یا کافی لو گے؟ ویسے جانے دو ورنہ نیند نہیں آئے گی۔"

"کافی، اتنا تھک گیا ہوں کہ کافی کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔"

"سبیلا! حیدر کے لیے کافی بنا دو۔" شافعہ نے باورچی خانے کے دروازے کی سمت منہ کر کے آواز لگائی۔ اسے ایک بار پھر باہر آنا تھا۔

"تمہارے بڑے ابو کا فون آیا تھا، وہ بھی دعوت دینا چاہ رہے ہیں۔"

"یہ دعوتیں میری سمجھ سے باہر ہیں، دو سال بعد واپس لوٹ کر میں نے ایسا کون سا کارنامہ انجام دے دیا ہے کہ سب وی آئی پی ٹریٹمنٹ دینے لگے؟"

"تم خاندان کے پہلے فرد ہو جس نے فارن ڈگری حاصل کی ہے، پھر اس فیلڈ میں ماسٹرز بھی کسی نے نہیں کیا تھا اب تک، اور سب سے اہم عنقریب مجھے تمہاری شادی جو کرنا ہے۔" وہ مسکرائیں۔

"اچھاااا....."

"تمہارے ذہن میں کوئی ہے تو بتا دو۔"

"فی الحال تو کوئی نہیں امی۔" اس نے دل کا احتجاج نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

سبیلا نے کافی کا مگ اس کے آگے رکھا اور پھر باورچی خانے میں گم ہو گئی۔

شافعہ بولتی رہیں اور وہ خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ کچھ دیر بعد سبیلا کو آواز دے کر مگ لے جانے کا کہہ کر وہ اٹھ گئیں۔ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اس کی سمت نہیں دیکھا تھا۔ شافعہ اسے کمرے تک چھوڑ کر، سونے کی تاکید کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"انسانوں کو حیثیت کے مطابق انہیں ان کی اوقات میں رکھنا یہاں سبھی کا شیوہ ہے، آپ سے تم ہونے پر مجھے اس میں کوئی شک نہیں رہا۔"

"میں نے ایک لفظ غلط یا جھوٹ نہیں کہا تھا، جو ہوں جیسی ہوں ویسی ہی وہاں موجود تھی، آپ نے جو سوچا، جو تاثر لیا، جو رائے قائم کی، اس کی وجہ تو مجھے آپ بتائیں۔"

"اتفاق سے جڑی ساری چیزیں بھولنے کی ہوتی ہیں، اسے اہمیت نہ دیں۔"

"بیلا مجھے میری امی کہا کرتی تھیں، اتنی نفرت کے ساتھ بیلا میرے لیے اجنبی ہے، مجھے سبیلا ہی پکاریں۔"

بستر پر کروٹیں بدل بدل کر اور سر جھٹک جھٹک کر وہ تھک گیا لیکن سبیلا کے جملوں کی بازگشت اسے سونے نہیں دے رہی تھی۔

وہ جس بیلا سے ملا تھا وہ تعلیم یافتہ اور ویل مینرڈ تھی، وہ اس طبقے سے نہیں لگتی تھی جو یوں گھروں میں ملازم ہوتے ہیں پھر یہ ملازمت کیوں؟ صبح اس سے بات کرنے کے بعد اس کا غصہ زائل ہو رہا تھا۔ سبیلا کی باتیں اسے اس وقت اچھی نہیں لگی تھیں مگر دن بھر وہی باتیں سوچ سوچ کر اب وہ ان میں چھپا درد، غصہ اور مجبوری سمجھ پا رہا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ ابھی جا کر اس سے سارے جواب طلب کرے لیکن وہ صبح اس کا رویہ دیکھ چکا تھا اور اس کے ساتھ گھر والوں کا

www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

رویہ بھی۔

☆☆☆

رت جگے کا اثر تھا کہ وہ سب کے ساتھ ناشتے پر موجود نہیں تھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر ڈائننگ والے حصے میں پہنچا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ فون پر شافعہ کا پیغام پڑھ رہا تھا جو اسے ٹھیک سے ناشتا کرنے کے بعد گھر سے نکلنے کا کہہ رہی تھیں کہ بڑی ممانی نے پیچھے سے آواز دی۔

"اٹھ گئے تم، آج تو بہت دیر کر دی۔"

"جی، کل کی تکان کچھ زیادہ تھی۔"

"ناشتا کیا؟"

"نہیں، بس ابھی آیا ہوں۔"

انہوں نے بشیراں خالہ کو آواز لگائی۔ جو چند سیکنڈ بعد حاضر تھیں۔

"سبیلا سے کہو حیدر کو ناشتا بنا دیں اور تم ذرا میرے ساتھ چلو، پلنگ ہٹا کر کمرے کی صفائی کرنا ہے۔"

بشیراں نے اندر جا کر سبیلا کو پیغام دیا اور پھر دونوں چلی گئیں۔

وہ اپنے کل والے رویے کے لیے سوری کرنے کے لیے الفاظ ترتیب دے رہا تھا۔ سبیلا آتی اس سے پہلے سامعہ آ گئی۔

"کالج نہیں گئیں؟" وہ کرسی کھینچ کر اس کے بازو میں بیٹھی تو حیدر نے پوچھا۔

"ہو گئے میرے ایگزامز، پرسوں ہی تو بتایا تھا۔"

اوہ! میرے ذہن سے نکل گیا شاید۔"

"کہیں لے ہی چلیں اب آؤٹنگ کے لیے یا شاپنگ کو۔"

"تمہیں پتا تو ہے مجھ سے نہیں ہوتے یہ کام۔"

"یعنی پردیس کی ہوا بھی آپ کو بدل نہیں سکی۔" وہ ہنس دیا۔ تبھی سبیلا ٹرے لے کر آئی۔

"کیوں بشیراں خالہ نہیں ہیں؟"

"نہیں۔" سبیلا نے دوسری طرف سے آکر ٹرے حیدر کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں گئی ہیں وہ؟"

"آپ کی ممی ساتھ لے گئی ہیں۔" وہ جواب دے کر باورچی خانے میں جانے لگی تھی کہ سامعہ بگڑ گئی۔

"میں بات کر رہی ہوں ناں، ذرا تمیز نہیں ہے کہ رک کر سنو۔"

"چولھے پر رکھی سبزی جل جائے گی۔" وہ رکی نہیں تھی اور سامعہ کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"اس کو تو میں......" وہ کرسی کھسکا کر کھڑی ہوئی۔ اس کا ارادہ باورچی خانے میں جا کر سبیلا کی خبر لینے کا تھا۔

"سامعہ!" حیدر نے اسے پکارا۔

"ریلیکس، کیوں اتنا ہائپر ہو رہی ہو؟ یہ چائے لو۔" اس نے ٹرے سے کپ اٹھا کر اس کے آگے رکھا۔

"یہ دیکھیں، کون چائے بھی ساتھ میں دیتا ہے، آملیٹ کھائیں گے تب تک چائے ٹھنڈا پانی ہو جائے گی۔"

"میں نے کہا تھا ایک ساتھ دینے کا۔" حیدر کی بات پر وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"یعنی آپ نے اس سے بات کی؟" اس نے ہاتھ اٹھا کر باورچی خانے کی سمت اشارہ کیا۔

"ہاں، اتنی حیرت کیوں؟" اب وہ حیران تھا۔

آپ جانتے نہیں اسے۔ اسے منہ لگانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔"

"ایسا کچھ نہیں تم اوورری ایکٹ کر رہی ہو۔" وہ سامعہ کا مزاج جانتا تھا اس لیے تحمل سے کہا۔ اسے علم تھا کہ اس کی طرف داری سامعہ کی نفرت اور غصہ بڑھا دے گی۔

"تمہیں باہر جانا تھا نا، جلدی سے چائے ختم کرو، اب میرا موڈ بن گیا ہے۔" اس اچانک سرپرائز پر وہ واقعی سبیلا کو بھول گئی۔

اندر سبیلا لب بھینچے کام میں مصروف تھی لیکن بار

www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

بارا سے آنکھوں پر دوپٹا پھیرنا پڑ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ گیٹ سے اندر داخل ہوا اور ہر سمت سناٹا محسوس کر کے دائیں طرف مڑ گیا۔ اس دن والا غصہ زائل ہو چکا تھا اور اس سے بات کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

"ارے، تم اس طرف کیسے؟ کچھ چاہیے؟ بھوک لگی ہے؟" ساریہ اور وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر چونکے تھے۔

"یہ کیا ہے؟" حیدر نے سوال نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں پکڑے درمیانے سائز کے چارٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ....." ساریہ نے آگے بڑھ کر چارٹ کھانے کی میز پر رکھ دیا۔ "اشوکا ہسٹری پروجیکٹ ہے۔"

"آپ نے بنایا ہے؟" اس نے جھک کر دیکھا۔ کچھ تاریخی شخصیات کی تصویریں لگی تھیں، ساتھ ہی صاف اور دلکش لکھائی میں نام اور ان کے متعلق مختصر معلومات درج تھی۔

"نہیں، یہ کام مجھے بالکل نہیں آتے، سبیلا نے بنایا ہے۔" اور اسے موقع مل گیا۔

"اچھا، بہت ٹیلینٹڈ ہے پھر تو وہ....."

"ہاں سبیلا بہت ذہین ہے، اپنے کالج کی ٹاپر ہے وہ۔"

"پھر یہاں.....؟" اس نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"قسمت، وقت، حالات اور مجبوری۔" ساریہ کے لہجے میں ہمدردی یا افسوس نہیں، دکھ تھا۔

"بھابھی! آپ یہ کلرز دیں....." وہ باورچی خانے سے شاید دوڑتی آ رہی تھی، اسے دیکھ کر رک گئی۔ وہی شانے پر ایک طرف لٹکتا دوپٹا، کیچر سے نکل کر گردن پر جھولتے بال۔ اس نے فوراً دوپٹا درست کیا۔

"ابھی سائنس کا پروجیکٹ بھی ہے نا اس لیے چھوڑ دیے تھے، اپنے پاس ہی رکھو۔" حیدر کو اس کی سمت دیکھتے پا کر ساریہ نے ذرا توقف کے بعد کہا۔

"تم حیدر سے ملیں؟ یہ شافعہ پھوپھو کے فرزند ہیں اور حیدر یہ سبیلا سبین، کے پی کالج کی انگلش لٹریچر گولڈ میڈلسٹ۔"

"بھابھی! اس گھر میں میرا تعارف یہ نہیں ہے۔" اس نے شکایتی انداز میں آہستگی سے کہا اور پلٹ گئی۔ ساریہ نے اسے آواز دی لیکن وہ رکی نہیں۔

"کب سے ہے یہاں؟"

"ڈیڑھ سال تو ہو گیا ہو گا۔"

"فیملی؟"

"ہے، نہ ہونے کے برابر۔"

تب ہی شافعہ کی کال آ گئی، ان کی بات رک گئی۔ ساریہ چارٹ لے کر چلی گئی تھی۔ جب کہ وہ شافعہ سے بات کرنے کے بعد وہیں کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

اس کی باتیں تسلسل سے اسے یاد آ رہی تھیں اور وہ اپنے اس دن والے غصے اور رویے پر پھر شرمندہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اس کی فکرمندی اور پریشانی شافعہ سے مخفی نہ رہ سکی۔ چوں کہ وہ انہیں بتا چکا تھا اس لیے وہ اسے بیرون ملک جائے یا یہاں رکنے کی کشمکش سمجھ کر اسے سمجھاتی رہیں کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے گا انہیں قبول ہو گا۔ اس کا دل چاہا ماں کو پریشانی کی اصل وجہ اور کشمکش سب کہہ سنائے لیکن اس سے قبل ایک بار سبیلا سے بات ضروری تھی۔ وہ ساریہ سے مزید بات کرتا تو اسے اس دلچسپی کی وجہ بھی بتانا پڑتی، جو وہ کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس وقت اپنا حالِ دل ماں سے پہلے کسی کو بتا سکتا تھا تو وہ صرف سبیلا تھی۔

وہ آج پھر علی الصبح ممبئی گیا تھا۔ شام میں لوٹا تو کالج، اسکول، آفس والے گھر نہیں لوٹے تھے۔ وہ تر و تازہ ہو کر کمرے سے باہر آیا۔ وہ کبھی بلا ضرورت برآمدے یا باورچی خانے کی سمت نہیں آتا تھا اور اب

www.urdunovelsmag.com

اس کے قدم خود بخود ادھر چلے آتے تھے۔ بشریٰ خالہ باورچی خانے کے دروازے کے باہر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔

"کچھ چاہیے بیٹا؟" اسے دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا۔

"جی، کافی مل سکتی ہے؟" اس نے کرسی پر بیٹھنے سے پہلے اندر جھانکنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"ہاں ہاں۔" انہوں نے پیچھے جھک کر سر اندر کیا اور سبیلا کو آواز لگائی۔ وہ شاید اپنے کمرے میں تھی۔ اسے آنے میں کچھ پل لگے تھے۔

"حیدر بیٹا کو کافی بنادو۔" وہ اسے کہہ کر پھر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کھانا کھایا تھا دوپہر میں؟ ورنہ ابھی کھالیں۔"

"نہیں، کھانا کھایا تھا۔"

"ارے! آپ کب آئے؟ اور ادھر کیا کر رہے ہیں؟ کچھ چاہیے ہو تو ادھر ہی منگوالیا کریں، یہاں کیوں آتے ہیں؟" سامعہ ایک ہی سانس میں بول کر اس کے سامنے والی کرسی پر ٹک گئی۔

"کافی کی طلب ہو تو صبر نہیں ہوتا ہے۔" اسے یہ آمد قطعی اچھی نہیں لگی تھی۔

"ویسے بھی کچھ دن کی بات ہے، ایک بار آپ کی جاب اسٹارٹ ہوئی تو پھر گھر والوں کو ویک اینڈ کا انتظار کرنا پڑے گا آپ کی صورت دیکھنے کے لیے۔" وہ اس کے دو سال پہلی والی جاب کے تناظر میں کہہ رہی تھی جب وہ بڑا مصروف ہوا کرتا تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ ویک اینڈ پر بھی نظر نہ آئے۔"

"کیا مطلب؟"

میری جاب ابراڈ بھی ہوسکتی ہے۔"

"کیا.....؟" وہ یہ صدمے والی خبر سن کر کرسی پیچھے سرکا کر کھڑی ہوئی اور اسی وقت سبیلا کافی کا مگ لیے اس کے پیچھے پہنچی تھی۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں کافی کا مگ فرش پر بکھرنے سے پہلے گرما گرم کافی سبیلا کے ہاتھ اور سامعہ کے لباس پر چھلکا چکا تھا۔

"اندھی ہو کیا تم؟" سامعہ حلق کے بل چیخی۔

"یا جان بوجھ کر اندھی بن جاتی ہو؟" اس نے ایک نظر اپنے کپڑوں کو دیکھا۔

"آج پہلی بار پہنا تھا یہ ڈریس، قیمت کبھی خواب میں بھی نہیں سنی ہوگی اتنی ہے، جان بوجھ کر کیا تم نے یہ....." اپنے ہاتھ کی جلن پر آنسو روکتی سبیلا سے اسے ہاتھ جوڑ کر معافی کی توقع تھی لیکن وہ اس کی سمت دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

"تمہیں تو میں....." وہ آگے بڑھی۔ حیدر نے بروقت وہاں پہنچ کر اس کا ہوا میں معلق ہاتھ روک لیا۔

"یہ حادثہ تھا سامعہ، کسی کی غلطی نہیں اور کافی اس کے ہاتھ پر گری ہے۔" قریب سے آئی حیدر کی آواز پر سبیلا نے سر اٹھایا۔ سامعہ کا اٹھا ہاتھ حیدر کی گرفت میں دیکھ کر اسے سمجھ میں نہیں آیا، زیادہ دکھ کی بات کیا تھی، وہ تھپڑ کھانے والی تھی یا بچالی گئی تھی؟ سامعہ کی آواز اتنی اونچی تھی کہ بڑی ممانی اور ساریہ دونوں بھی بھاگی بھاگی وہاں پہنچ چکی تھیں۔

"کیا ہوا؟"

"کافی گرادی اس جاہل نے میرے اوپر، سارے ڈریس کا ستیاناس کردیا۔" حیدر اس کا ہاتھ چھوڑ چکا تھا۔

"دھیان کہاں رہتا ہے تمہارا؟ ابھی اس دن گلاس توڑا، آج مگ اور اس کا ڈریس بھی گیا۔" بڑی ممانی کے الفاظ اتنے برے نہ تھے اگر ان میں صرف غصہ ہوتا۔

"تم کپڑے تبدیل کر کے انہیں فوراً واش کرو، نکل جائے گا داغ، جاؤ۔" ساریہ نے سامعہ سے کہا اور سبیلا کے قریب آئی جس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ وہ اپنا جلا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے تھامے تھی۔ حیدر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہی بڑی ممانی اور سامعہ بھی۔ وہ ٹوٹا مگ اٹھانے نیچے بیٹھنے لگی تھی کہ ساریہ نے روکا۔

"پہلے کچھ لگاؤ اس پر، یہ بعد میں صاف کر لینا۔"

www.urdunovelsmag.com

"یہ میں کرلوں گی بیٹا، آپ اسے دوا لگادو۔"
بشیراں خالہ اپنی جگہ سے اٹھ چکی تھیں۔

"تم ہاتھ پر پانی ڈالو ذرا، میں برنال ڈھونڈتی ہوں۔" ساریہ نے کہا ابھی حیدر دوبارہ نمودار ہوا۔

"یہ لیں۔" اس نے برنال ساریہ کو دیا۔

"اوہ! شکر مل گیا، بیٹھو۔" ساریہ نے اسے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اس کے بائیں ہاتھ کا انگوٹھا اور شہادت کی انگلی سرخ تھی۔ ساریہ نے کافی سے آلودہ ہتھیلی کی پشت پر برنال پھیلایا تو اس کے آنسو چھلک پڑے۔

"درد زیادہ ہے تو پین کلر دوں؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"سامعہ کی عادت ہے تم دل پر نہ لو۔" ساریہ نے بہت دھیرے سے کہا پھر بھی حیدر سن چکا تھا۔

وہ اپنی واحد ہمراز کو آج کے آنسوؤں اور تکلیف کی اصل وجہ نہیں بتا سکتی تھی۔ پہلی بار اسے اس واحد غم گسار کے کھونے کا خدشہ لاحق ہوا تھا۔ وہ ساریہ کو شکریہ کہہ کر اندر چلی گئی۔

"تمہیں کافی بنا دوں؟" حیدر کو برنال واپس کرتے ہوئے ساریہ نے پوچھا۔

"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا۔

وہ فی الحال یہیں رہنا چاہتا تھا، قریب، آس پاس۔ دل ایسے ہی تو کام کرواتا ہے، جن کا آپ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ ناقابلِ یقین، دل ہتھیلی پر لیے پھرنے والے عاشقوں والے، تو کبھی بچکانے اور جنم جنم کا ساتھ نبھانے جیسے! ساریہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ بشیراں خالہ فرش صاف کررہی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے ایک خیال اسے مضطرب کرگیا تھا۔ اگر وہ چند دن کے لیے ہل اسٹیشن نہ جاتا تو گھر والوں کے رویوں کی بدصورتی اسے کبھی نظر آتی نہ محسوس ہوتی۔ بشیراں خالہ اپنا کام سمیٹ کر وہاں سے چلی گئیں۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا جانے کتنی دیر وہاں بیٹھا رہا تھا۔ کالج سے لوٹیں بشریٰ اور آئمہ وہاں آئیں، تب وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ فجر کے بعد جاگنگ سے لوٹا تو اس کا رخ دائیں طرف تھا۔ گھر والوں کے جاگنے کا وقت ہو چکا تھا پھر بھی اس نے سوچ لیا تھا، وہ باہر نہ ملی تو دروازے پر دستک دے گا۔

وہ اسی جگہ سیڑھی پر بیٹھی تھی۔ آہٹ پر اسے دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی۔

"سبیلا!" وہ اندر جا کر دروازہ بند کرتی اس سے پہلے اس نے پکارا۔ یہ صدا پل بھر کو اس کے قدموں کی زنجیر بنی کہ آج اس میں نفرت اور غصہ نہیں کچھ اور تھا۔

"دروازے پر دستک سے سارا گھر بھی جاگ سکتا ہے۔"

وہ آگے بڑھی تھی کہ حیدر کی اس دھمکی پر پلٹی۔

"آپ چاہتے ہیں میں اس گھر سے چلی جاؤں تو سیدھی طرح کہہ دیں۔"

"میں تمہارے اس گھر میں رہنے کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"جان کر کیا کریں گے؟ اور میں کیوں بتاؤں آپ کو؟"

وہ دو قدم آگے بڑھ کر رک گیا۔

"ہم اجنبی نہیں، پہلے مل چکے ہیں، ہم نے مختصر سہی مگر خوش گوار، یادگار اور فرینڈلی وقت ایک ساتھ گزارا ہے۔ تم پراپر گڈ بائے کہے بنا چلی گئی تھیں، میں نے دو دن تمہارا انتظار کیا، تلاش کرنے کی کوشش کی۔" وہ ایک ہی سانس میں سب کہہ گیا۔

"تمہیں یہاں دیکھ کر میرا غصہ ہونا غلط ہو لیکن حیران ہونا تو فطری ہے، اس اچھے وقت کا تقاضا ہے کہ میں تمہارا مسئلہ اور پریشانی جانوں۔" ایک زمانے بعد یہ توجہ، فکر اور خیال سبیلا کو کمزور کرنے ہی لگا تھا کہ وہ سنبھل گئی۔

"میں غریب ہوں، میری کوئی فیملی نہیں، میں تنہا ہوں۔"

"تم ایجوکیٹڈ ہو، کانفیڈنٹ ہو، ٹیلینٹڈ ہو،

www.urdunovelsmag.com
TAGPK.COM

Scanned with CamScanner

تمہیں اچھی اور پراپر جاب مل سکتی ہے۔"

"کوئی اور جاب مجھے سر چھپانے کے لیے چھت نہیں دے سکتی۔"

"شہر میں کئی ورکنگ وومنز ہاسٹل اور دیگر سہولیات ہیں۔"

"مجبوری ہے۔"

"کیا؟"

"یہی کہ فی الحال میں یہاں سے کہیں نہیں جا سکتی۔" وہی جواب کے بغیر جواب! وہ زچ ہوگیا۔

بیلا! یہ ہی میں پوچھ رہا ہوں، کیا مجبوری ہے؟ کیوں یہاں سے کہیں جا نہیں سکتیں؟ یہ ملازمت ہی کیوں؟"

"کیا کریں گے آپ جان کر؟ ہاں اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں تو اس کے لیے آپ کو کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔" وہ جانے لگی، حیدر سامنے آکر اس کا راستہ روکنا چاہتا تھا کہ سامعہ کی آواز پر دونوں بری طرح ٹھٹک گئے جو سامعہ نے بھی محسوس کیا۔

آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اس کی آواز میں حیرت کے ساتھ غصہ بھی تھا۔

"وہ..... مجھے بھوک لگ گئی تھی۔ جاگنگ کرتے ہوئے۔ اس لیے سیدھا ادھر آیا۔ تم اتنی جلدی کیسے جاگ گئیں؟"

"اس طرف کیوں؟ برآمدے میں میز پر بیٹھتے ناں۔" سامعہ نے سبیلا کو گھورا۔

"آپ اس سے بات نہ کیا کریں مجھے غصہ آتا ہے۔" اس بات کی توقع کسی کو نہیں تھی، سامعہ نے بھی بلا سوچے سمجھے کہہ دیا تھا۔

غصہ ہونے والی کوئی بات نہیں، چلو۔" اس نے سبیلا کو بھی برآمدے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے کچھ کھانے کے لیے دے دو یا صرف کافی۔" جانے سے پہلے اس نے سبیلا کو کہا۔ اور اس کی آواز کی نرمی اور بدلا لہجہ سامعہ کو کرنٹ کی طرح لگا۔

"آج اشو کا ٹفن نہیں ہے، بھابھی نے کہا ہے۔" جانے سے پہلے اس نے بڑی گہری نظر اس پر ڈالی تھی۔

☆☆☆

ان دونوں کے کہنے سننے کی مشکل اور خواہش سامعہ نے آسان کر دی۔ شافعہ سے پہلے حیدر کی آنکھیں اس نے پڑھ اور سمجھ لی تھیں۔ اس نے وہ وقت چنا جب دونوں ماموں اور علیم النساء کے علاوہ گھر کے سب افراد وہاں جمع تھے۔

"ممی! آپ نے اسے رکھنے سے پہلے کوئی چھان بین نہیں کی تھی؟" اس نے میز پر گلاس رکھتی سبیلا کی سمت اشارہ کر کے پوچھا۔

"چھان بین کیا کرتی، نگار نے فون کیا تھا کہ ایک ضرورت مند کو بھیج رہی ہوں، نگار کی وجہ سے رکھ لیا تھا۔"

"اب سن لیں کتنی بڑی غلطی کی آپ نے۔ اس کا باپ چوری کے الزام میں جیل میں ہے، ماں نے بھی چوری کی تھی اس لیے نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔"

سبیلا کا چہرہ سفید ہوگیا۔ یہ کیسا دستور تھا جو موجود نہیں ان کے سنے سنائے گناہ اور جرم سنا کر اسے مجرم بنایا جا رہا تھا۔ اس نے زندگی میں کوئی غلط کام کیا تھا نہ کسی کا دل دکھایا تھا پھر اس کے لیے یہ ذلت اور شرمندگی کیوں لکھ دی گئی تھی؟ کاش وہ غائب ہو سکتی، اسی وقت مر سکتی۔

"اتنا ہی نہیں اس کے باپ کے اتنے قرضے ہیں کہ قرض داروں نے گھر پر قبضہ کر لیا ہے اور یہ ان سے چھپ کر ہمارے گھر میں بیٹھی ہے۔۔"

سب کی حیرت اور پھر حقارت بھری نظریں اس کا وجود ہی نہیں روح بھی تار تار کر رہی تھیں۔ اس نے بمشکل خود کو گھسیٹا اور باورچی خانے میں چلی گئی۔ سب کی چہ مہ گوئیاں جاری تھیں۔ باپ کی وفات کے بعد حیدر نے اس وقت اپنی زندگی کا دوسرا سب سے کڑا صبر کیا۔ اس کی نظر سبیلا سے ہٹی نہیں تھی۔ درد

www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

لی لہر اس کا دل دکھا گئی تھی۔

"آپ سب یہ بھی تو سوچیں، سبیلا نے تو کچھ نہیں کیا ہے ناں۔" ساریہ کو اپنی دلیل کمزور ہونے کا احساس تھا۔

"تمہیں کیا پتا، کچھ اور کریدیں گے تو اس کا بھی کچا چھٹا کھل جائے گا۔" بڑی ممانی نے ساریہ کو ڈانٹا۔

اتنے دن سے ہمارے ساتھ ہے، کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں ہوئی نہ....."

"ایسے ماں باپ کی اولاد ان کے ہی گن لے کر پیدا ہوتی ہے، کچھ گیا بھی ہوگا تو ہم نے کب دھیان دیا یا غور کیا۔" چھوٹی ممانی پر یقین لہجے میں گویا ہوئیں۔

سبیلا اندر منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخیں دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کتنی گھنی ہے ممی یہ۔" آئمہ نے کہا۔

"ہم نے سارا کچن ہی اس کو سونپ رکھا ہے، کبھی جھانک کر دیکھا بھی نہیں۔ کتنا لوٹ چکی ہوگی ہم کو اب تک۔" بشریٰ کو نیا افسوس لاحق ہوا۔ حیدر نے ماں کو دیکھا۔ اسے ماں سے امید تھی کہ وہ ان سب کی طرح اسے دوش دے کر الزام نہیں لگائیں گی۔

"پھوپھو۔" ساریہ نے شافعہ کو پکارا۔ "آپ ہی سمجھائیں، ایک دو دن یا چند مہینے کی بات نہیں ہے، سبیلا یہاں ڈیڑھ سال سے ہے۔ کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا، وہ اپنے کام سے کام رکھتی ہے، نہ زیادہ بات کرتی ہے نہ ہی ہماری طرف آتی ہے، جب تک کوئی بلائے نا۔" شافعہ کی موجودگی سے ساریہ کو حوصلہ ملا تھا۔

"تم کیوں اس کی طرف داری کرتی ہو ہمیشہ؟" اعظم نے ساریہ کو گھور کر مزید بات کرنے سے روکنا چاہا۔

"کیوں کہ وہ اچھی لڑکی ہے، یہ تو ٹھیک نہیں کہ کسی اور کے کیے کی سزا ہم اسے دیں۔" ساریہ نے جتاتی نظر سے شوہر کو جواباً گھورا کہ اب میں چپ نہیں رہوں گی۔

"کوئی اور نہیں سگے ماں باپ ہیں اس کے۔" سامعہ نے تنک کر کہا۔

"اس کی امی پر غلط الزام لگا تھا، وہ ہمارا انہی کے گھر سے ملا تھا جنہوں نے الزام لگایا تھا۔"

"باپ تو عادی مجرم ہے اور بھی....."

"بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" وہ مزید چپ نہ رہ سکا۔

اتنے عرصے میں کوئی بات نہیں ہوئی ہے تو یہ ایشو یہیں ختم ہو جانا چاہیے، کیوں امی؟"

"مجھے تو لڑکی اچھی لگتی ہے، کبھی کوئی مسئلہ نہیں کیا ورنہ بشیراں ہی ہمیں خبردار کر دیتی۔ کوئی نہ کوئی مجبوری ہوگی کبھی تو یہاں کام کر رہی ہے، رہ بھی رہی ہے۔" اس کی رکی سانسیں ماں کی بات پر بحال ہوئیں۔

"لیکن اب اس پر نظر رکھیں سب۔" چھوٹی ممانی نے کہا۔

"دوسری ملازمہ دیکھیں، جیسے ہی کوئی مل جائے اسے رکھ لیں۔" بشریٰ نے کہا۔

سامعہ حیدر کی مداخلت کے بعد سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ بشیراں خالہ باورچی خانے میں آئیں تو وہ منہ پر دوپٹا رکھے دیوار سے لگ کر بیٹھی روئے جا رہی تھی۔ باہر کی باتوں سے ان کا دل بھی بھاری تھا۔ انہوں نے بھی زندگی میں کئی شک اور الزام برداشت کیے تھے، اس کام میں اس سے بچا نہیں جا سکتا۔ یہاں تو کچھ بھی اس کے حق میں نہ تھا۔ انہوں نے اس کے سامنے بیٹھ کر ہاتھ بڑھایا اور وہ ان سے لپٹ کر اور بری طرح رونے لگی۔

میز سے سب سے پہلے حیدر اٹھا تھا۔ کمرے میں آ کر وہ مسلسل ٹہل رہا تھا۔ 'مجبوری' اور 'بے بسی' اسے اچھی طرح سمجھ آ رہی تھی اپنی بھی اور سبیلا کی بھی۔ سامعہ کس حد تک جا سکتی تھی یہ دیکھنے کے بعد وہ ساری احتیاط اور مصلحت طاق پر رکھنے تیار ہو گیا

www.urdunovelsmag.com
Scanned with CamScanner

تھا۔ ایک ہی مرحلہ سب سے بھاری تھا اور اب اسے وہی طے کرنا تھا، شافعہ سے بات۔

"بیٹا! یوں منہ بند کر سب سن لینے سے کسی کو تمہاری اچھائی نظر نہیں آئے گی۔" بشیراں خالہ رات میں اسے سمجھا رہی تھیں۔

"بولنا سیکھو، اپنے حق کے لیے انہیں جواب دیا کرو۔ ہم اپنی محنت کا کھاتے ہیں، کسی کا احسان نہیں ہے ہم پر کچھ کہ ہمیں دبایا جائے۔"

یہ حادثہ ناگزیر تھا۔ یہ سچائی کبھی تو سب کے سامنے آنا ہی تھی۔ اتنے دن یہ راز رہ گیا وہ ہی معجزے سے کم نہ تھا۔ وہ چپ چاپ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ بشیراں خالہ کی باتوں نے ذہن کو ہل انٹیشن والے منصوبے اور ارادے یاد دلا دیے تھے۔ ڈر ڈر کے اور چھپ کر زندگی نہیں گزاری جا سکتی اور اس سے بھی اہم وہ کب تک دوسروں کو اپنی عزت نفس پر چلنے کی اجازت دیتی رہے گی۔ وہ پھر منصوبے بناتی سو گئی۔

☆☆☆

شور سن کر حیدر کمرے سے باہر نکلا۔ برآمدے میں تقریباً سارا گھر ہی موجود تھا۔

"پوچھیں ممی اس سے؟" یہ سامعہ کی آواز تھی۔ وہ آگے آیا تو منظر واضح ہوا۔ سبیلا سر جھکائے کھڑی تھی۔ سامعہ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جو اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

"بتاؤ سبیلا! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟" بڑی ممانی کی آواز میں غصہ تھا۔

"ظاہر ہے اس نے بھی کہیں سے چرایا ہی ہوگا۔" سامعہ کی آواز میں نفرت تھی۔

"یہ گھر میں سے کسی کا نہیں ہے ممی، اس کی اتنی ہمت ہوگئی ہے کہ چوری کر کے ہمارے گھر جمع کر رہی ہے، کل کو بدنامی ہماری ہوگی۔" آئمہ نے آگے جا کر سبیلا کے سر کو زور سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑائی لیکن ہنوز سر جھکائے تھی۔

"اسے نکالیں گھر سے، آج ہی بات کریں آپ پھوپھو اور دادی سے۔"

وہ سامنے پہنچا تو دیکھا سامعہ کے ہاتھ میں جیکٹ تھا، اس کا جیکٹ۔

"یہ تو....." حیدر کی آواز پر سبیلا نے سر اٹھایا اور ذلت اور شرمندگی کے پتھر نے اس کا دل کچل دیا۔ اس نے بے دردی سے لب کاٹے۔

"جی بہت مہنگا اور برانڈڈ ہے، اسی لیے تو حیران ہیں سب کہ یہ کہاں کہاں اور کب سے ہاتھ مار رہی ہے۔" اس کی بات درمیان سے اچک کر سامعہ نے مکمل کی۔

نہیں..... میں کہہ رہا ہوں یہ....."

"یہ مجھے مہابلیشور میں کالج کے باہر ملا تھا۔" سبیلا کی نظر حیدر پر تھی اور ان آنکھوں میں درج التجا پر اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"ملا تھا یا تم نے چرایا تھا؟" سامعہ نے اس کے شانے کو دھکا دیا۔

"گارڈن میں پڑا تھا، میں نے اٹھا کر رکھ لیا تھا۔" اس نے آنکھیں میچ کر جملہ مکمل کیا۔ سب ایک ساتھ شروع ہوئے تھے۔

www.urdunovelsmag.com

حرام خور....."

"دیکھا میں نے کہا تھا نا۔"

"کس دیدہ دلیری سے کہہ رہی ہے۔"

"خاندانی پیشہ ہے یہ تو اس کا۔"

حیدر بے اختیار آگے بڑھا اور کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی آواز اتنے شور میں گم ہوگئی۔ سبیلا نے سامعہ کے ہاتھ سے جیکٹ لینا چاہا۔ سامعہ نے بھڑک کر جیکٹ اس کے منہ پر مارا۔

"رکھو، حرام اور چوری کی چیز ہمیں نہیں چاہیے۔"

"ممی اسے نکالیں اب گھر سے، بہت ہوگیا۔" آئمہ نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ اس کے پیچھے سامعہ اور بشریٰ بھی۔

"میری بھی سمجھ میں نہیں آتا اس نحوست کو کیوں پال رہے ہیں ہم؟" بڑی ممانی کراہیت

Scanned with CamScanner

بھری نظر اس پر اچھال کر پلٹیں۔

"تم کیوں ادھر آ گئے؟ چلو۔" انہوں نے برآمدے سے کمرے میں جاتے ہوئے اسے دیکھ کر کہا۔

"چلو....." وہ یونہی جمارہا تو چھوٹی ممانی رک گئیں۔ اسے ان کے ساتھ چلنا پڑا۔

سبیلا پتھر ہوتے وجود کو گھسیٹ کر کمرے کی طرف بڑھی۔ آج بشیراں خالہ اپنی بیٹی کے گھر گئی تھیں۔ ان کی غیر موجودگی میں اسے تلاش کرتے ہوئے سامعہ کمرے میں آئی اور اندر آتے ہی ادھ کھلے بیگ میں اسے جیکٹ کی جھلک نظر آ گئی تھی۔ کمرے میں کوئی نہیں آتا تھا سوائے ساریہ کے اس لیے اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ اس نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں اور بڑی احتیاط سے جیکٹ بستر پر رکھ دی۔

"ایک احساس، ایک جذبہ، ایک خوشبو، ایک حدت، ایک یاد، ایک خوشی، کچھ بھی اپنے پاس رکھنے کا حق نہیں مجھے۔"

وہ آہٹ پر پیچھے مڑتی تب تک دیر ہو چکی تھی۔ کمرے میں داخل ہوئے حیدر نے بڑے جارحانہ انداز میں اس کا بازو پکڑ کر رخ اپنی سمت کیا تھا۔

"کیوں جھوٹ کہا تم نے؟" اس کی سرخ آنکھیں نم تھیں اور چہرے پر شدید غصہ۔

اس سے زیادہ جارحانہ انداز میں سبیلا نے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا۔

"بدکردار، حرافہ، فاحشہ کے مقابلے چور کہلوا کر زندہ رہنا زیادہ آسان ہے۔" اس کی آنکھیں اور چہرہ حیدر سے مختلف نہیں تھا۔ وہی دوٹوک اور صاف بات جس نے اسے متاثر کیا تھا، اس وقت اس کا سینہ چھلنی کر گئی۔

"یہاں سے جائیں۔" وہ اسے دروازے کی طرف دھکا دیتے ہوئے بولی۔

"دوبارہ ادھر مت آیئے گا میں خودکشی نہیں کرنا چاہتی۔" حیدر کو جگہ سے ہلانا آسان نہ تھا لیکن سبیلا کے الفاظ اس کی مزاحمت توڑ گئے۔ وہ اسے دروازے سے باہر نکال چکی تو دروازہ بند کر دیا۔

"بیلا....." حیدر نے دروازے پر آہستہ سے ہاتھ مارا۔ وہ اندر دروازے سے پشت ٹکا کر رو رہی تھی۔

"بیلا پلیز..... مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں نہ میں ناراض ہوں، پلیز بات کرو۔" ذرا دیر پہلے والے طیش کی جگہ بے بسی اور التجا تھی۔

"تمہیں یوں دیکھنا سزا ہے بیلا!" اس کی سرگوشی میں تکان تھی۔

اس نے آہستہ سے چہرہ دروازے کی سمت کیا۔

"میرا نام آپ کی زبان سے سنتے ہی جو سزا مقدر ہوگی اس کے مقابلے یہ سزا کچھ نہیں ہے۔" اس نے دل میں اسے مخاطب کیا۔

"بیلا پلیز....." وہ پکارتا رہا مگر اس نے جواب دیا نہ دروازہ کھولا۔ وہاں کسی بھی وقت کوئی بھی آسکتا تھا۔ تھک ہار کر اسے لوٹنا پڑا۔ اب وہ شافعہ سے فوراً بات کرنے کا طے کر چکا تھا مگر رات میں اسے موقع نہیں ملا۔ شافعہ اگلے دن کے کسی فنکشن کی تیاری کی وجہ سے دیر سے آئیں اور آنے کے بعد بھی سارا وقت فون پر ہدایتیں دیتے مصروف رہیں۔

☆☆☆

اگلے دن ہی اس کے اس گھر سے نکل کر کسی اسکول یا آفس میں نوکری کرنے کے جوش پر برف پڑ گئی جب بلقیس خالہ نے فون پر اطلاع دی کہ اس کے ابا جیل سے چھوٹ گئے ہیں اور ان کے پاس اس کا پوچھنے آئے تھے۔ انہوں نے اس کا پتا نہیں بتایا لیکن اسے محتاط رہنے کو کہا تھا۔ جو آدمی بیوی کی کمائی چھین کر جوئے میں ہار جاتا ہو، بیوی پر ہاتھ اٹھاتا ہو اس سے کیا امید کی جاسکتی تھی۔ اس کے پاس ایک بھی یاد نہ تھی جس میں باپ کی شفقت کا احساس ہوتا، جس کے بھروسے وہ باپ سے کوئی امید لگاتی۔

صبح ساریہ اس کے پاس آئی تو سبیلا نے اسے

www.urdunovelsmag.com

یہ خبر سنائی۔

"تم فکر نہ کرو، میں نے مما سے کہہ رکھا ہے کہ کسی اسکول میں تمہارے لیے کوئی جاب دیکھیں اور دوسری بات....." ساریہ نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے ہاتھ تھامے۔

"میں نے ان سے کوئی معقول رشتہ دیکھنے کو کہا ہے، تمہیں تحفظ کوئی مضبوط رشتہ ہی دے سکتا ہے، سگے رشتوں کے بعد نکاح سے بڑھ کر ایسا کوئی اور رشتہ نہیں۔ شادی کے بعد گھر، چھت، رشتے، تحفظ سب مل جائے گا۔ ایسا رشتہ ملنا آسان نہیں لیکن ناممکن بھی نہیں، بس تھوڑا اور صبر اور انتظار کرو۔"

وہ بس اسے تک رہی تھی۔

"مما کے یہاں رہائش کی سہولت نہیں ورنہ میں کب کا تمہیں وہاں بھیج دیتی۔" اللہ نے جیسے اس حبس زدہ ماحول میں ساریہ کو شبنمی مزاج دے کر اسی کے لیے بھیجا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتی یہ قیام نجانے اور کتنا کٹھن ہوتا تھا۔ ساریہ کی باتیں سن کر وہ ایک نئے سچ سے آگاہ ہوئی تھی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ سر اٹھا کر جینے کے لیے سب سے بڑی قربانی کیا ہوگی۔ کسی کا ہاتھ جھٹک دینا کافی نہ تھا، کسی کا ہاتھ تھام لینا ضروری تھا۔

☆☆☆

آئمہ کی خالہ زاد کی منگنی تھی۔ علیم النساء سمیت سارا گھر جا رہا تھا۔ سب سے آخر میں اعظم، ساریہ، شافعہ اور حیدر کو شافعہ کی کار میں جانا تھا۔ ان کی کار کے باہر نکلتے ہی سمیلا نے گیٹ بند کیا۔ جاتے ہوئے بڑی ممانی امے سارا پھیلاوا سمیٹنے کی ہدات دے گئی تھیں۔ آج معمول کی صفائی والی ملازمہ نے چھٹی کر لی تھی۔ برآمدے میں پھیلی چیزیں سمیٹنے کے بعد وہ ہال میں بکھری چیزیں جگہوں پر رکھنے لگی۔ ایسا مکمل گھر خالی کبھی کبھار ہی ہوتا تھا۔ اس وقت سب سوچنے کی آزادی تھی اسے۔ جیکٹ والی بات، باپ کی رہائی کی خبر، ساریہ کی باتیں، وہ فرش پر بکھرے کشن اٹھانے کے لیے گھٹنے ٹیک کر جھکی تو ویسے ہی بیٹھ گئی۔

"میرے باپ کے گناہوں کے داغ امی کو نگل گئے، مجھے کب لے جائیں گے؟ جیسے باپ کے ہونے سے ڈر ہوا ایسی تو کوئی اولاد نہ ہوگی دنیا میں! ذلت، رسوائی، نفرت اب برداشت نہیں ہوتی، یہاں کسی میں رحم اور انسانیت کیوں نہیں ہے؟ اور وہ کیوں..... کیوں اسی گھر کا فرد ہے..... کاش وہ گم ہی رہتا، کبھی نہ ملتا تب یہ سب اتنا مشکل نہ ہوتا..... یا مجھ سے....." اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔

اسے احساس ہی نہیں ہوا کب اس کی سسکیاں اور گھٹی گھٹی آواز ہال میں پھیل گئیں۔ وہ آگے کو جھک کر سجدے کی صورت میں زمین پر تھی۔ پہلی بار وہ آزادی سے بین کر رہی تھی۔ کتنی لاشوں کے بین ادھار تھے اس پر، انا، خودداری، عزت نفس کی لاش، سر اٹھا کے جینے کی خواہش کی لاش، اپنی سچی شخصیت کی لاش، بہ حیثیت انسان دوسروں سے احترام کی امید کی لاش، اس کے ایک مخملی خواب کی لاش، ایک تریاق سی یاد کی لاش..... اس کے آس پاس لاشیں بکھری تھیں اور وہ سراپا ماتم تھی۔ جانے کتنی دیر بعد وہ سیدھی ہوئی۔ پیچھے پڑا دوپٹا اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور جوتے دیکھ کر ساکت ہوگئی۔ اس سے سر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں گیا۔

سب کے گھر سے باہر ہونے کا موقع وہ گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے جان بوجھ کر فون گھر بھول گیا تھا۔ وہ ٹیکسی سے آجائے گا کہہ کر وہ راستے سے واپس گھر آیا تھا۔ برآمدے سے ہی اسے گھٹنے ٹیک کر بیٹھی سمیلا دکھائی دی تھی جو اس کے اندر آنے تک آواز سے رونے لگی تھی۔ اس کا دل چاہا آگے بڑھ کر تڑپتی بکھرتی بیلا کو یوں سمیٹے کہ اس کے سارے غم، زخم، الم اس کے سینے میں منتقل ہو جائیں، لیکن اس وقت ضبط لازم تھا۔ وہ جانے کتنے وقتوں سے یہ گھٹن اور سسکیاں اندر دبائے تھی۔ اس کی پیش قدمی پر یہ سب اس کے اندر قید ہو جانے کا ڈر تھا۔ وہ اس کے آنسوؤں سے اپنا بھیگتا سینہ محسوس کرتا اس کے چپ

www.urdunovelshag.com

ہونے کا منتظر تھا۔

اس نے دوپٹا اٹھا کر اوڑھا تبھی بشیراں خالہ کی آواز آئی جو اسے پکار رہی تھیں۔ حیدر پلٹ کر باہر نکلا۔

''آپ تو چلے گئے تھے؟'' اسے دیکھ کر وہ حیران ہوئیں۔

''فون لینے آیا ہوں، ابھی چلا جاؤں گا، سبیلا شاید چھت پر گئی ہے۔''

''کپڑے اٹھانے گئی ہوگی۔''

''آپ آرام کریں میں سبیلا سے کہہ دوں گا، وہ گیٹ بند کرلے گی۔''

''اچھا اچھا۔'' وہ واپس چلی گئیں۔

حیدر ہال میں آیا تو وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کی بڑی سیاہ آنکھوں کے ساتھ پورا چہرہ متورم تھا۔ دونوں کے تیور کل سے مختلف تھے۔

''بیٹھو۔'' حیدر نے قریب صوفے کی سمت اشارہ کیا۔ وہ چونکی مگر یونہی کھڑی رہی تو حیدر خود صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کچھ گھنٹے کوئی نہیں آئے گا اور مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

سبیلا نے سر اٹھا کر دیکھا اور کچھ کہنا چاہا کہ وہ بول پڑا۔

''پلیز.....'' وہ سنجیدہ تھا۔

سبیلا خاموشی سے اس سے فاصلے پر بیٹھ گئی۔ وہ گردن جھکائے گود میں دھری ہتھیلیوں کو دیکھ رہی تھی حیدر اسے۔

''تھینک یو..... کہ تم نے وہاں ملنے پر مجھے گھاس نہیں ڈالی ورنہ میں کبھی تمہارا نوٹس نہ لے پاتا، اور یہاں اس گھر میں تو شاید.....'' وہ چپ ہوگیا۔ کچھ توقف کے بعد پھر کہنے لگا۔

''تم نے مجھے پہلی ملاقات میں ہی ایٹریکٹ کیا تھا اور ان چھ سات دنوں بعد اچانک تمہارے غائب ہونے پر مجھے احساس ہوا کہ میں تمہیں پسند کرنے لگا تھا، اور اس گھر میں تمہیں دیکھنے کے کچھ دن بعد مجھے خود سے اعتراف کرنا پڑا کہ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔'' وہ مسکرایا اور سبیلا کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ کیا ستم ظریفی تھی کہ یہ خدشہ اسے ڈراتا تھا تو دل میں دبی یہی آس ذات کے صحرا کا بادل بھی تھی۔

''تمہارے علاوہ میرے نزدیک کوئی میٹر اہم نہیں ہے، تمہارے ماضی یا تعلق سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں آج یا کل امی سے بات کروں گا۔''

''نہیں۔'' اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ''ایسا کچھ نہ کریں پلیز.....''

''امی باقیوں سے مختلف ہیں بیلا۔''

''کتنی بھی مختلف ماں ہو، وہ اپنے بچے کو کیچڑ میں اترنے کی اجازت نہیں دے گی۔''

''اگر کیچڑ سے کنول نکالنا ہو تو منع نہیں کریں گی۔''

''اگر کنول ہو تو.....'' اس نے پھر سر جھکا لیا۔

''وہ مجھے طے کرنے دو۔'' اس کا دل چاہا وہ پوری آواز سے روئے مگر وہ سر جھکائے خود کو سنبھال رہی تھی اور حیدر کی نظر اس کی باتیں ابرو کے اوپر تھی۔

''میں امی کو جانتا ہوں پھر بھی وہ کیسا ری ایکٹ کریں گی، اندازہ لگانا مشکل ہے۔''

''آپ کسی سے کوئی بات نہ کریں کیوں کہ.....'' اس نے خود کو حیران کرتے ہوئے سر اٹھا کر حیدر کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں نہیں چاہتی۔''

''میں اس وقت تمہارے جذبات اور ڈر سمجھ رہا ہوں مگر میرا.....'' اس نے انگریزی میں کہا۔

''آپ کے بات کرنے سے میرے الزاموں میں اضافے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر کھڑی ہوگئی۔ حیدر بھی صوفے سے اٹھا۔

''میرا یقین کرو بیلا!''

''مجھے نہیں کسی پر یقین، نہ کرنا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہتے ہوئے اسے اس اچھے انسان کے ساتھ زیادتی کا خیال مار رہا تھا۔

''اوکے۔'' اس نے سر ہلا کر حتمی انداز میں

www.urdunovelsmag.com

کہتے ہوئے اس سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔ سبیلا سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ کسی بھی طرح اسے باز رکھنے کی یہ کوشش وہ خوب سمجھ رہا تھا۔

"میں نے سوچا تھا تم سے پہلے بات کرلوں تا کہ..... لیکن میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ ہال سے چلا گیا۔ کمرے سے فون لے کر گیٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے ہال میں دیکھا۔ وہ وہیں کھڑی تھی۔ حیدر آج ہر حال میں شافعہ سے بات کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

☆☆☆

اس کی ساری بات شافعہ نے خاموشی سے سنی تھی۔ چہرے پر بے یقینی اور حیرت ابھرتی اور ڈوبتی رہی لیکن انہوں نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

"کچھ تو کہیں امی!" اس کے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ یونہی بیٹھی رہیں تو اس نے کہا۔

"حیدر بیٹا!" ایک گہری سانس لے کر انہوں نے پہلو بدلا۔

"میں ذہنی طور پر تیار تھی کہ تم کبھی نہ کبھی مجھے اپنی پسند سے آگاہ کرو گے لیکن تم جانتے ہو کہ ابھی جو تم نے کہا ہے وہ بہت ان ایکسپیکٹیڈ اور غیر معمولی ہے، اسے پروسس کرنے کے لیے مجھے کچھ وقت تو دو بیٹا۔"

"اوکے۔" اس نے ماں کے ہاتھ تھامے۔

"ٹیک یور ٹائم، پہلے دن سے آج تک جو ہوا، میں نے جو فیل کیا، جو سوچا سب آپ سے کہہ دیا ہے، اب میں ریلیکس ہوں۔" وہ ان کے ہاتھ چومتے ہوئے مسکرایا۔ وہ پہلی بار بیٹے کے مقابل زبردستی مسکرائیں۔

اس لڑکی کی وجہ سے..... دل نے فوراً تصحیح کے ساتھ اضافہ کیا۔

"بہت دیر ہوگئی ہے، اب تم ریلکس ہو تو آرام کرو۔"

"آپ بھی زیادہ لیٹ نہ کریں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہمم....."

وہ انہیں شب بخیر کہتا کمرے سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی شافعہ کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوگئے۔

اکلوتے بیٹے کی بہو کے متعلق اکثر لوگ ان سے پوچھا کرتے تھے اور وہ کہتی تھیں کہ میں اس معاملے میں بہت لبرل ہوں، میرا بیٹا جسے بھی پسند کر لے مجھے قبول ہوگی۔ یہ ہی یقین حیدر کو بھی تھا جو وہ بنا کسی جھجک اور فکر کے ماں کو حالِ دل سنا گیا تھا۔ لیکن اب خود کو لبرل ماں کہنے والی شافعہ کے اندر روایتی ماں طیش سے تلملا رہی تھی۔

ایک ملازمہ، ایک عادی اور سزا کاٹ رہے مجرم کی بیٹی، اوقات کیا ہے اس کی؟"

شوہر کے انتقال کے بعد اکلوتے بیٹے کو رشتوں سے محروم نہ رکھنے کا سوچ کر انہوں نے سسرال میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا تھا مگر جلد ہی انہیں احساس ہوا کہ کمانے والا شوہر اور باپ نہ ہو تو کھاتے پیتے، امیر گھرانے بھی کس طرح تنگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مختصر عرصے میں ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ اگر کوئی کچھ دیتا ہے تو اس کے بدلے میں وہ لینے والے کو دبانے اور اس سے کبھی بھی، کچھ بھی چھین لینے کا حق خود کو تفویض کر لیتا ہے۔

وہ ناز و نعم میں پلی والدین اور بھائیوں کی لاڈلی تھیں۔ تعلیم یافتہ بھی تھیں۔ شوہر کے بعد اب بیٹا ہی ان کی زندگی تھا۔ سسرال اور میکے کے معاشی استحکام کی وجہ سے اسے آسائشات دینا آسان تھا لیکن انہوں نے جلد ہی سمجھ لیا کہ بنا باپ کے پلنے والی اولاد کو جسمانی اور مادی سہولیات اور آسائشات دینے سے زیادہ ضروری ہے کہ دوسروں کے احسانات سے بچا کر، اسے شخصیت میں پڑنے والے شگافوں اور شکنوں سے محفوظ رکھا جائے۔ اپنی اور بیٹے کی عزت نفس اور خودداری کا خیال اس قدر شدید تھا کہ میکے میں ماں اور بھائیوں کے ساتھ ایک آرام دہ زندگی کے بجائے انہوں نے خود مختار ہونے

www.urdunovelsmag.com

کو ترجیح دی۔ ماں سے بات کی، انہیں سمجھایا کہ وہ بھائیوں سے سلیقے سے بات کریں تاکہ وہ بنا کسی رنجش کے باپ کی وراثت سے انہیں ان کا حصہ دے دیں۔ ان پیسوں سے انہوں نے بچوں کے پلے گراؤنڈ اور کنڈرگارٹن سے ابتدا کی تھی۔ ان کی محنت اور لگن سے ترقی کرتے کرتے وہی آج شہر کا کامیاب اور مشہور نجی اسکول تھا۔ اس سفر میں انہوں نے کسی کے احسانات نہ رکھتے ہوئے تعلقات سب سے بحال رکھے تھے۔

یہ سفر آسان نہ تھا۔ کتنے ہی لوگ ان کے ناکام ہونے اور گرنے کے منتظر تھے۔ عورت اپنی حدود میں بھی مکمل آزادی اور خود مختاری سے رہے تو یہ سب سے برداشت نہیں ہوتا ہے۔ بہت سوں کو امید تھی کہ اس درجہ لاڈ پیار میں بیٹا ہی بگڑ جائے گا یا وہ پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی وجہ سے بیٹے کو توجہ نہیں دے پائیں گی، وہ بہک جائے گا، بگڑ جائے گا۔ سب ہی انگلی اٹھانے کے لیے موقعے کے انتظار میں تھے۔ اسی لیے انہوں نے حیدر کے ساتھ اپنا رویہ ہمیشہ دوستانہ رکھا، کسی فاصلے اور جھجک کو جگہ نہیں دی اور اب اسی بے تکلفی اور آزادی کی وجہ سے بیٹا ان کے مقابل تھا۔ یہ بات بھی تو بدنامی ہی تھی کہ ایک سزا یافتہ مجرم کی بیٹی اور ملازمہ کو حیدر نے پسند کرلیا ہے۔ ان کی تربیت اور محبت پر سوال تو اٹھنے ہی تھے۔ آپ کتنے ہی پہرے بٹھائیں، قسمت اور مصیبت وار کرنے کے لیے چور دروازہ ڈھونڈ ہی لیتی ہیں۔

وہ آرام کرسی مسلسل آگے پیچھے جھلاتے ہوئے سوچوں کے تانے بانے میں الجھی تھیں۔

"کیا حیدر میرے انکار پر باغی ہوجائے گا؟ وہ ضد کرے گا، دھمکی دے گا؟ ایموشنلی بلیک میل کرے گا؟ کس طرح بات آگے بڑھاؤں کہ سانپ مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ کیسے سمجھاؤں اسے؟ یا کوئی اور طریقہ استعمال کروں کہ کچھ کہنے سننے کی نوبت ہی نہ آئے۔"

انسان اپنے فائدے کے لیے بڑے غیر محسوس طریقے سے وہی کرنے لگتا ہے جس سے بچتا رہا ہے یا جسے ناپسند کرتا رہا ہے۔

"میں کیا کروں کہ حیدر اس کا اصلی چہرہ دیکھ سکے؟ اللہ کرے خود اس لڑکی کی اصلیت اس طرح اس کے سامنے آئے کہ مجھے کچھ کہنا ہی نہ پڑے۔"

رات بھر انہیں نیند نہیں آئی تھی۔ صبح ہونے تک انہوں نے اس معاملے میں بھائی کی مدد لینے کا ارادہ کرلیا تھا۔

☆☆☆

اتنے دنوں میں وہ پہلی بار سکون سے سویا تھا۔ کیا جانتا تھا صبح پھر اس کا سکون چھین لے گی۔

چھٹی کا دن تھا۔ وہ دیر سے اٹھا تھا۔ ہال میں سب نظر آرہے تھے تو وہ ناشتے کی میز پر جانے کے بجائے ادھر ہی چلا آیا۔

"اسے کہو، دوسری ملازمہ کا انتظام ہونے تک وہ نہیں جاسکتی۔" بڑی ممانی کا موڈ خراب تھا۔

"دونوں ماموں لاتعلق سے اخبار اور ٹی وی میں گم تھے۔

"وہ نہیں تیار رکنے کو، کہہ رہی ہیں اس ماہ کی تنخواہ نہ دیں۔" ساریہ بھی پریشان تھی۔ صبح اچانک سبیلا نے اپنا فیصلہ سنایا کہ دوسری جگہ اور ملازمت کا انتظام ہونے تک وہ بلقیس بی کے یہاں رہ لے گی۔ وہ یہ رسک لینے تیار تھی لیکن اس گھر میں مزید رکنے کو راضی نہ تھی۔

"اونہہ بڑی مہارانی جیسے کہ ہم اس کی بات مان ہی لیں گے۔" بشریٰ نے نخوت سے کہا۔

"کیا ہوا؟" وہ پوچھ بیٹھا۔ سامعہ کی نظر اسی پر تھی۔

"سبیلا ملازمت چھوڑ کے جا رہی ہے۔" ساریہ نے کہا۔

"آپ کی دلچسپی کی کوئی بات نہیں ہے۔" سامعہ نے مسکرا کر حیدر سے کہا۔

وہ جواباً سر ہلا کر باہر نکل گیا۔ اسے ناشتا جو کرنا تھا۔

www.urdunovelsmag.com

''امی شاید دیر تک جاگتی رہی ہیں اسی لیے ابھی تک نہیں جاگیں۔'' ماں کی غیر موجودگی پر اس نے سوچا۔

وہ میز والے برآمدے تک پہنچا ہی تھا کہ پیچھے سامعہ بھی پہنچ گئی۔ اس سے پہلے اس نے ہی بشیراں خالہ کو آواز لگا دی۔

مجبوراً اس کی موجودگی میں ناشتا کر کے اس کے ساتھ ہی اسے وہاں سے اٹھنا پڑا۔ ابھی وہ شافعہ کے کمرے میں جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ دوست کا فون آ گیا اور اسے نہ چاہتے بھی باہر جانا پڑا۔ اس کے اسکول کے استاد بہت زیادہ بیمار تھے اور اسکول کے سب دوست ان کی عیادت کے لیے جا رہے تھے۔

شافعہ نے طے کیا تھا کہ دونوں بھائیوں اور اعظم سے بات کریں گی۔ ان سے سہیلا کے متعلق ساری معلومات مع ثبوت کے اکٹھا کرنے کو کہیں گی اور پھر وہ حیدر کو دکھائیں گی۔ ساری عمر کی کمائی ایک لڑکی کے پیچھے برباد ہوتے دیکھنا کوئی عقل مندی نہ تھی۔ ویسے بھی انہیں یقین تھا کہ پسند یا محبت سے زیادہ ان کا بیٹا ہمدردی میں مبتلا ہے اور اس ہمدردی اور ترس کو محبت سمجھ بیٹھا تھا۔ وہ کوئی ماورائی حسن رکھنے والی لڑکی بھی نہ تھی کہ خوب صورتی کا جادو چل جاتا۔ اس میں کچھ ایسا نہ تھا جو ان کا خوبرو بیٹا اس میں دلچسپی لیتا سوائے مظلومیت اور غربت کے اور اس کے علاوہ جو اہم تھا وہ اسے مکمل نظر انداز کر رہا تھا۔

کمرے سے نکلیں تو آئمہ مل گئی۔ اس نے پوچھنے پر بتایا کہ تایا تائی دادی کے کمرے میں ہیں۔

''یہ بھی اچھا ہے اماں کے سامنے بات ہو جائے گی۔'' وہ سوچتے ہوئے علیم النساء کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''اماں! ہم کیسے کہیں، لڑکی والے ہیں۔''

''ویسے تو خود شافعہ کو یہ بات اب تک کر لینی چاہیے تھی، ہم سے نہ سہی آپ سے تو کر ہی سکتی تھی۔''

بڑی بھابھی کی آواز پر وہ باہر ہی رک گئیں۔

''ابھی تو حیدر آیا ہے، کرے گی۔''

''اماں! آپ بھی دیکھ تو رہی ہیں کیسی دعوتیں چل رہی ہیں اس کے سسرال میں۔''

وہ جو یہ سن کر بھی اندر جانے لگی تھیں، بھائی کے لہجے نے قدم روک لیے۔

''اور وہ کیسے خوشی خوشی سب کے لیے تحفے لے کر جا رہی ہے سب جگہ۔''

''تم دونوں یونہی پریشان ہو رہے ہو، شافعہ سسرال سے بہو بھی نہیں لائے گی، میں جانتی ہوں۔''

''اماں! آپ نے کہا تھا دے دو اس کا حصہ، ایک ہی بیٹا ہے اس کا اور تمہاری ایک ہی بیٹی، سب اس گھر میں ہی رہے گا، اب آپ ہی یقینی بنائیں کہ ایسا ہو۔ رفیع کو میں نے اس وقت بڑی مشکلوں سے منایا تھا، وہ تو بالکل تیار نہ تھا۔'' اپنے شفیع بھائی کی ناراض سی آواز سے زیادہ ان کے الفاظ انہیں پاتال میں دھکیل گئے۔

''فکر نہ کرو، سامعہ سے ہی ہوگی حیدر کی شادی، دیکھتے نہیں تم بھائیوں میں جان ہے اس کی، ہر چھوٹے بڑے فیصلے تم سے رائے لے کر کرتی ہے، تمہارے سوا ہے ہی کون اس کا۔''

''اولاد کی محبت میں سب بدل جاتے ہیں اماں، ہم بھی اکلوتی اولاد کی محبت میں اندھے ہو گئے تھے جو اسے کاروبار سے رقم دے دی تھی۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ بھولے نہیں۔'' کاش وہ بھائی کی یہ بات کبھی نہ سنتیں۔ کتنے ہی بت دھڑا دھڑ گر کر ٹوٹے تھے۔ سب سے اونچائی سے گرنے والا بت ان کے اپنے مان کا تھا۔

''میری بیٹی احسان فراموش نہیں، وہ بھائیوں کی مدد بھولے گی نہیں۔''

وہ سمجھ نہ سکیں، اماں کے لہجے میں ناز کس بات کا تھا، کون سے احسان کی بات تھی۔ انہوں نے تو شرعی حق مانگا تھا اپنا۔ اس سے ایک پیسہ زیادہ نہ لیا

www.urdunovelsmag.com
Scanned with CamScanner

تھا۔ زندگی میں ہم جس سے بھاگتے ہیں وہ بھی ہمارے پیچھے ہی بھاگتا ہے اور کبھی نہ کبھی پکڑ ہی لیتا ہے۔ وہ مزید کچھ سنے بغیر ہی کمرے میں لوٹ آئیں۔ کون سی خودمختاری؟ کیسی خودداری؟ یہاں تو ان کے اور ان کے بیٹے کی زندگی کے فیصلے برسوں قبل ہی دوسروں نے کر رکھے تھے۔ جنہیں اپنا سمجھ کر وہ سسرالیوں کو چھوڑ آئی تھیں وہ اپنے بھی ان جیسے ہی نکلے تھے۔ احسان جتانے اور بدلے میں اپنی مرضی چاہنے والے۔ جانے کون سا دکھ بڑا تھا بیٹے کی پسند کا یا ماں اور بھائی کی باتوں کا۔ مان اور بھرم ٹوٹنے کے دکھ سے زیادہ اہم مسئلہ فی الحال بیٹے کا تھا۔ کسی کی مدد کے بنا ہی انہوں نے سبیلا کے متعلق معلومات اکٹھی کرنے کا سوچا۔ بڑی ممانی کی دوست کا نمبر ملنا مشکل نہ تھا کہ اس کی بیٹی ان کے اسکول میں پڑھتی تھی۔

☆☆☆

وہ گھر پہنچا تو بہت رات ہو گئی تھی۔ دن بھر اسے یہ خدشہ ستاتا رہا تھا کہ کہیں وہ آج ہی گھر نہ چھوڑ دے، ایک بار پھر کہیں گم نہ ہو جائے۔ گیٹ سے اندر آ کر وہ آج بے دھڑک دائیں طرف مڑا تھا۔ شافعہ سے کہہ دینے کے بعد اب کسی احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔ کوئی دیکھ بھی لیتا تو اب اسے سچائی کہنے میں کوئی عار نہ تھا۔ دروازہ ذرا سا کھلا تھا۔ اس نے اوٹ سے ہی بند انگشت سے دروازے پر دستک دی۔

"کون......؟ بھابھی آپ ہیں؟"

حیدر نے دروازہ پورا کھول دیا۔ وہ پلنگ پر پیر لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس غیر متوقع آمد پر کھڑی ہو گئی۔

"آپ......؟ اس......اس وقت یہاں......"

مارے گھبراہٹ کے اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"پلیز! جائیں یہاں سے......جائیں۔"

"ایک بار پھر تم بنا بتائے غائب ہونے کا سوچ رہی ہو۔" وہ کمرے میں داخل ہو کر گویا ہوا۔

"آپ نے جو کہنا ہے صبح کہہ لینا، ابھی جائیں پلیز......"

"تمہیں ذرا بھی اندازہ ہوتا راتیں میرے لیے آج کل کتنی طویل ہیں تو کبھی یہ نہ کہتیں، مجھے یہ ڈر سونے نہیں دیتا کہ میں صبح تمہیں دیکھ پاؤں گا یا نہیں۔ اور اب جب تم خود یہاں سے جانے کا کہہ چکی ہو، میں کیسے تمہیں دوبارہ کھو جانے دوں؟" اس کی سنجیدہ آواز میں سچائی تھی۔ اس سوال میں جو تڑپ تھی سبیلا اس سے بچ نہ سکی۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" یہ دوبدو کا وقت تھا۔

"تم کہیں نہ جاؤ، کمرہ اور حیثیت بدل کر اسی گھر میں رہو۔" شدت اور سچائی ناپنے کا کوئی آلہ ہوتا تو اس لہجے پر ٹوٹ جاتا۔

"یہ ناممکن ہے۔"

"میں نے امی سے بات کر لی ہے، دیکھنا وہ جلد......"

"ناممکن اس لیے کہ میں نہیں چاہتی۔"

"کیوں......کیوں؟"

"یہ مناسب نہیں، آپ کیوں اپنی ماں کو امتحان میں ڈال رہے ہیں۔ تنہا عورت کے لیے اکلوتی اولاد کی پرورش آسان نہیں ہوتی اور آپ کی اس خواہش کے بعد لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ وہ آپ کی خوشی کے لیے مان جائیں گی مگر مجھے دل سے قبول کرنا ان کے لیے مشکل ہوگا۔ میری وجہ سے آپ دونوں کے تعلق میں فرق آ جائے گا اور اس گھر میں کیا ہوگا وہ آپ بھی بہتر جانتے ہیں۔ آپ کی ضد اور آپ کی امی کی آپ کے لیے محبت میں، میں احسان تلے دب جاؤں گی۔ یہاں ملازمہ کا کوئی عزت دار مقام بھی نہیں ہو سکتا، میں ساری عمر سب کے لیے چور کی بیٹی رہوں گی، داغ دار، ناقابل بھروسا اور حقیر۔ اس لیے سب کے لیے یہی بہتر ہے کہ میں یہاں سے چلی جاؤں۔" اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسو روکتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

"اور یہ میرا دل بیلا!" وہ آگے آیا۔ "اس کا کیا؟"

www.urdunovelsmag.com
TAGPK.COM
Scanned with CamScanner

''اس کے آنسو پوری رفتار سے باڑھ پار کر گئے۔
''حیدر!'' اس نے پہلی بار اس کا نام لیا۔ وہ رو رہی تھی۔
''مجھے کس بات کی سزا دے رہی ہو تم؟ جو تمہارے لیے محسوس کیا کبھی کسی کے لیے فیل نہیں ہوا، کبھی کوئی خواہش اتنی شدید نہ تھی جتنی تمہیں اپنے ہمراہ کرنے کی ہے۔ کبھی اتنے خواب نہ دیکھے جتنے تم سے مل کر دیکھے ہیں۔ ساری زندگی اتنے وعدے نہ کیے تھے جتنے تمہاری حوالے سے خود سے کیے ہیں۔''
وہ ڈوبتی آواز سنبھالنے ذرا ٹھہرا۔ ''میرے جذبات اہم نہیں؟ ان کی کوئی قدر نہیں؟'' وہ سرخ آنکھیں اس پر جمائے جواب طلب کر رہا تھا۔
''کبھی خود کو بچانے کے لیے سب سے قیمتی چیز چھوڑنا ناگزیر ہوتا ہے۔ ڈوبنے کا اندیشہ ہو تو خود کو سارے بوجھ سے آزاد کر کے بس اپنا وزن سنبھالنا ضروری ہوتا ہے۔''
''بیلا! بچانے، سنبھالنے کے لیے تم مجھ پر بھروسا تو کرو۔''
''اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔''
''کیسی قیمت؟''
''سڑک سے اٹھا کر اپنے گھر میں جگہ دینے کا خراج سب کے لیے میرا جھکا سر ہوگا، ساری زندگی کے لیے جھکا سر۔''
''سب؟ میں کافی کیوں نہیں؟'' اس کی نظر الجھی الجھی تھی لیکن چہرے کا ہر نقش چیخ کر اس کی سچائی کی گواہی دے رہا تھا، سارے تاثرات اسے قائل کرنے کے لیے گڑگڑا رہے تھے۔ سبیلا ایک قدم آگے آئی۔
''حیدر!'' اس نے بند مٹھی سینے پر رکھی۔ ''خدا گواہ ہے، میں نے آزمائش اور مشکلوں کی دھوپ سے تمتماتے راستے کے لیے ایک خوب صورت یادی چھاؤں کی خواہش کی تھی، مگر......'' گلے میں پڑے پھندے نے کچھ پل کے لیے آواز سلب کر لی۔

''میں جھوٹ نہیں کہوں گی، میرا دل لالچ کر بیٹھا اور اس چھاؤں کی یادوں میں نہیں زندگی میں ہونے کی تمنا کرنے لگا۔'' وہ رو رہی تھی۔
''دن میں کتنی بار یہ مجھے بہکاتا ہے کہ ہر جانب سے آنکھیں بند کر کے آپ کا ہاتھ تھا لوں۔''
''تو تھام لو بیلا۔''
سبیلا نے نفی میں سر ہلا کر چہرے پر انگلیاں پھیر کر آنسو پونچھے۔
''اپنی ذات، سیلف اسٹیم (خود اعتمادی) اور خودداری کو روز اپنے ہاتھوں کچلنے کے روٹین سے چھٹکارے کی خواہش، ہر خواہش پر حاوی ہے حیدر، کسی کا ہاتھ تھام کر ہمیشہ سر جھکا کر چلنے کے بجائے میں تنہا سر اٹھا کر جینا چاہتی ہوں، یہ ڈیڑھ سال میں اپنی زندگی سے نکالنا چاہتی ہوں، یہ ساری زندگی نہیں کر سکتی۔''
تم بہت نیگیٹیو سوچ رہی ہو، ایسا کچھ نہیں ہوگا، میں ہونے نہیں دوں گا۔'' وہ پر یقین تھا۔
''انسان تنہا نہیں رہ سکتا، آپ کی امی کو یہ بھی .... عزیز ہے اور آپ بھی۔ میں انہیں ایڈ مائر کرتی رہی ہوں کہ انہوں نے اپنا الگ راستہ منتخب کیا تھا، انہیں مشکل میں نہ ڈالیں، وہ اچھی ماں، اچھی بیٹی ہیں، انہیں بری نہ بنائیں، نہ مجھے پلیز۔''
''بیلا تم......'' وہ اس کے قریب آیا تبھی اس کا فون بجنے لگا۔ شافعہ تھیں۔
''ہیلو۔ جی امی! بس پہنچ ہی رہا ہوں۔ اچھا......جی آ رہا ہوں۔''
''جائیں۔'' وہ اب وہی پہلے دن والی پر اعتماد اور بے نیاز بیلا تھی۔
''ہماری بات ختم نہیں ہوئی ہے اور بات مکمل کیے بغیر تم چپکے سے کہیں نہیں جاؤ گی۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے پورے تیقن سے تنبیہ کی اور چلا گیا۔
وہ تھکی تھکی سے پلنگ پر ڈھے گی۔ اس کا دل اس سے منہ موڑ بیٹھا تھا، آرزوئیں ناراض تھیں،

TAGRY.COM
www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

خواب سسک رہے تھے مگر اس کا کسی کو منانے کا موڈ نہیں تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح سب کے لیے حیرتوں کا سامان لائی تھی۔ شافعہ نے میز پر آتے ہی سبیلا کو بلایا تو سب کو لگا آج اس کا آخری دن ہے لیکن شافعہ کے پہلے جملے نے پہلا بم گرایا وہ پھر مسلسل بڑی دیر تک یہ بمباری جاری رہی۔

''میں تم سے بہت شرمندہ ہوں، کل بلقیس سے بات ہوئی تب مجھے علم ہوا کہ تم یہاں اسکول میں ٹیچر کی جاب کے لیے آئی تھیں اور ہم سب کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ تم چوں کہ بلقیس کے ساتھ آئی ہو تو اس کی طرح پڑھی لکھی نہیں ہو اور اسی قسم کی جاب چاہیے، یہ ڈیڑھ سال لیٹ ہو گیا پھر بھی، یہ تمہارا اپائنٹمنٹ لیٹر.....'' انہوں نے لفافہ اس کی سمت بڑھایا۔ سب کے منہ کھلے کہ کھلے رہ گئے تھے۔ سب سے بڑا جھٹکا سبیلا کو لگا تھا۔

''انگلش لٹریچر میں گولڈ میڈلسٹ کی میری اسکول کو کب سے ضرورت تھی۔ تم نے جن حالات کا سامنا کیا اور خود کی حفاظت کی وہ بھی قابل تعریف ہے۔ تمہاری ماں اور دادی قابل تحسین ہیں جن کی تربیت نے تمہیں ایسا مضبوط بنایا، یہ بھی قابل تعریف ہے کہ تم عزت اور محنت سے کیے جانے والے کسی کام کو کمتر نہیں سمجھتی ہو، کل ساری سچائی جاننے کے بعد میں بہت متاثر ہوئی ہوں تم سے۔'' وہ مسکرائیں۔

شافعہ نے قلیل وقت میں ہی سیکھ لیا تھا کہ سہہ رہی یا سہہ چکی عورت کو اپنے جیسی دوسری عورت کی مشکلیں کم کرنے اور اس کا رتبہ، مقام دلانے کا موقع ملے تو کبھی گنوانا نہیں چاہیے۔ یہ ہی قدم اسے عورت ہونے کے سب سے اونچے مقام پر پہنچاتا ہے۔

کل حیدر کا انتظار کرتی شافعہ اسے دائیں طرف جاتے دیکھ کر ادھر آئی تھیں اور ان کی گفتگو سن چکی تھیں۔ اپنی خودی کی اور عزت نفس کی قدر کرنے والی سبیلا نے حیدر کی محبت ٹھکرا کر ان کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ وہ انہیں چند برسوں قبل والی شافعہ لگی تھی جو اپنے تئیں درست فیصلہ کر رہی تھی لیکن جیسے انہوں نے بھائی اور ماں کی بات سن کر جانا تھا کہ وہ تو بھرم میں جی رہی تھیں، لوگ تو اب بھی خود کو ان کے محسن اور انہیں مقروض گردان رہے تھے۔ ان کے نزدیک وہ اور حیدر ان کے پابند تھے۔ انہیں پہلی بار خوف محسوس ہوا تھا کہ وقت بڑا بے رحم ہے، کیا پتا ایسا ہی کوئی بھرم برسوں بعد سبیلا کا بھی ٹوٹے اور اس میں حیدر کا پچھتاوا بھی شامل ہو تو کیا 'یہ میرا دل' مجھے معاف کرے گا؟ وہ بیٹے کو اپنا مقدمہ لڑتے دیکھ کر اس کے احساسات کی گہرائی اور شدت سے روشناس ہوئی تھیں تو سبیلا کے سچائی قبول کر کے محبت چھوڑنے کے فیصلے سے اس کے کردار کی بلندی کی معترف ہو گئی تھیں.. جب سبیلا نے کہا کہ 'وہ اچھی ماں، اچھی بیٹی ہیں، انہیں بری نہ بنائیں۔' وہ بیٹے کو کال ملاتے وہاں سے پلٹ گئی تھیں، انہیں بری نہیں بننا تھا۔ دنیا کی نظر میں نہیں، اپنی نظر میں۔

''تم شام تک پیکنگ کر لو، اسکول کی ایک ٹیچر دوسرے شہر جا رہی ہے، اسے بھی روم میٹ کی ضرورت تھی، وہ شام میں آئے گی تمہیں لینے۔'' انہوں نے مکمل تیاری کر رکھی تھی۔ سبیلا پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری تھی۔ وہ لفافہ تھامے کھڑی تھی۔ آج حیدر ناشتے کے لیے نہیں آیا تھا۔

تم جاؤ، اپنی چیزیں سمیٹ کر تیاری کرو۔''

''تھینک یو۔'' وہ بھرائی آواز میں گویا ہوئی۔

شافعہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔ وہ لفافہ مضبوطی سے تھامے پلٹ گئی۔

''یہ سب آپ کو کیسے پتا چلا؟'' سوال سامعہ نے کیا۔ وہاں موجود لوگوں میں ساریہ اور بشیراں خالہ ہی خوش تھیں۔

''مجھے ساریہ نے اس کی تعلیمی لیاقت کے متعلق بتایا تو مارے تجسس کے نگار سے بات کی جس نے اسے یہاں بھیجا تھا، اس نے بلقیس سے ملوایا، سبیلا کی امی کی سہیلی جو اسے یہاں لائی تھی اسی سے

www.urdunovelsmag.com

Scanned with CamScanner

سارے حالات کا علم ہوا۔

"پھوپھو! اس کا باپ....."

"ایسے بد بخت کسی کے کچھ نہیں ہوتے، اگر باپ کو دیکھنا ہے تو پھر ماں اور دادی کو کیوں نظر انداز کریں؟ جن کے ہمت، حوصلے اور ایمانداری کی سارا محلہ مثال دیتا ہے۔ خیر، ڈیڑھ سال میں سبیلا نے کسی کو شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا ہے۔" سامعہ نے منہ کھولا ہی تھا کہ شافعہ نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"بس! یہ بات اب ختم۔" سامعہ آواز سے کرسی سرکا کر کھڑی ہوئی اور چلی گئی۔

"بھائی!" شافعہ نے رخ بھائی کی سمت کیا۔

"حیدر کو یہیں جاب مل گئی ہے، ابھی کچھ سال تو وہ یہیں ہے اس کے بعد کا علم نہیں۔ اس نے شادی کے لیے بھی گرین سگنل دے دیا ہے، میرے سرکل میں دو تین لڑکیاں اس حوالے سے مجھے پسند ہیں، جلد ہی کسی کو فائنل کرلوں گی، جلد اس کی شادی کرنا ہے اور میں حیدر کی شادی سے پہلے اپنے گھر میں منتقل ہونا چاہتی ہوں، کچھ فیلٹس بھی دیکھے ہیں۔ آپ نے جس طرح کاروبار میں میرے شرعی حصے کی رقم مجھے دے دی تھی میں چاہتی ہوں آپ اس مکان میں میرے حصے کی رقم بھی دے دیں تاکہ میں فلیٹ خرید لوں، میں نے ابا کے اس مکان کی قیمت نکال کر مفتی صاحب سے پوچھا ہے وہ ایک دو دن میں بتائیں گے میرے حصے کی کتنی رقم بنتی ہے۔" ہر سو خاموشی تھی، طوفان سے قبل والی خاموشی۔

☆☆☆

"میں نے کہا تھا ناں یہ منظر بھی بڑا خوب صورت ہوتا ہے۔" اس نے افق پر غروب ہوتے سورج کے ساتھ ڈھلتی شام کی لالی دیکھتی سبیلا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو اس خوب صورت منظر کو دیکھیں ناں۔" اس نے منظر سے نظر ہٹائے بغیر دبی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"میں سب سے خوب صورت منظر ہی دیکھ رہا ہوں۔"

"توبہ!" اس نے سامنے سے نظر ہٹا کر حیدر کو دیکھا۔

"کبھی کبھی آپ اتنی چیزی لائنز کہتے ہیں نا کہ....."

"کہ کیا.....؟"

"کہ کچھ نہیں۔" وہ وہاں سے ہٹ کر ریلینگ کے دوسرے سرے پر آئی۔ وہ اس کے پیچھے تھا۔

اسے بڑے صبر سے چار ماہ انتظار کرنا پڑا تھا۔ الگ مکان لینے کا کام اتنی آسانی سے مکمل نہیں ہوا تھا۔ انہیں منہ پر نہ سہی لیکن ان کی غیر موجودگی میں خودغرض اور احسان فراموش کہا گیا اور جانے کیا کیا۔ ساریہ، حیدر سے ساری داستان سن کر خوش تو بہت ہوئی تھی لیکن کئی دن تک وہ اپنی ناراضی سبیلا کو دکھاتی رہی تھی۔ شافعہ نے اسے الگ تھلگ رکھ کر یوں اس کا رشتہ سبیلا سے جوڑا کہ سب کو وہ شافعہ کی پسند ہی لگی تھی سوائے سامعہ کے۔

"آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔ سبیلا آپ کا انتخاب نہیں، حیدر بھائی کی پسند ہے۔" شافعہ کے اعلان کے بعد کہ انہوں نے اپنی بہو کے لیے سبیلا کو منتخب کیا ہے، سامعہ نے کہا تھا۔

"اگر ایسا ہے تو یہ میرے لیے اور خوشی کی بات ہے کہ ہم دونوں کی پسند ایک ہی نکلی۔" شافعہ نے مسکرا کر بات ختم کردی تھی۔

وہ اب بھی شافعہ کے اسکول میں جاب کررہی تھی۔ وقار احمد کی کوئی خبر نہ تھی۔ شادی سے قبل ہی ماں بیٹا نئے فلیٹ میں منتقل ہوگئے تھے۔ ان کے اس فیصلے سے کوئی خوش نہیں تھا، علیم النساء بھی نہیں۔ اب شافعہ احسانات کے ساتھ توقعات کے بنا ہی تعلقات بحال رکھنا سیکھ رہی تھیں۔

اور حیدر جانے کتنے مشورے رد کرتے ہوئے شادی کے دو دن بعد، اتنے سرد موسم میں سبیلا کے ساتھ یہاں موجود تھا۔

"وہ جھاڑیاں اب بھی ہیں۔" سبیلا نے آگے جھک کر نیچے جھانکتے ہوئے کہا۔

www.urdunovelsmag.com

"لیکن پھول بہت کم ہیں۔" وہ سیدھی ہوئی۔

"ویسے اس طرف سے وہاں پہنچ کر پھول توڑے جاسکتے ہیں۔" حیدر نے ریلنگ کے اختتام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا تھا ناں کچھ خوب صورت چیزوں کا وجود ہی کافی ہوتا ہے، ان سے زیادہ کی خواہش اور توقعات ان کا طلسم توڑ دیتی ہیں۔"

حیدر نے جیکٹ کے کالر کے دونوں کنارے پکڑ کر اسے قریب کھینچا۔

"یہ چہرہ قریب سے دیکھنے، ان آنکھوں کو چومنے، اس تل کو چھونے کی ساری، سبھی، تمام خواہشات پوری ہوئی ہیں، پھر بھی تمہارا طلسم نہیں ٹوٹا۔" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ "اس لیے تمہارا اس دن کا یہ سبق غلط ہے۔" سر کو ہلکی سی جنبش دے کر وہ بڑے انداز سے مسکرایا تھا۔

"آج کا سبق تو سن لیں۔" جھک کر کوئی گستاخی کرتا اس سے پہلے اس نے جلدی سے کہا

"کہو۔" اس نے بمشکل خود کو روکا۔

"تجربے، خیالات اور مفروضے بدل دیتے ہیں۔"

"مثلاً....."

"دل کا کہا سن لینا چاہیے، اسے رد کر کے ہمیشہ دماغ کی سننا ضروری نہیں۔"

"یہ تو میں اول دن سے مانتا ہوں بیلا۔" حیدر نے اس کے سر کو اپنی پیشانی سے ہلکے سے دھکا دے کر کہا۔

"مجھے اب سمجھ میں آئی ناں۔"

"اس کا مورل یہ ہے کہ اب میری باتوں سے اختلاف نہ کیا کرو۔"

"چلیں بھی۔" وہ کالر سے اس کے ہاتھ ہٹا کر دور ہوئی۔ "آپ روز اول سے اچھی طرح جانتے ہیں کہ جسے آپ نے چنا ہے وہ اتنی آسان اور سیدھی ہرگز نہیں۔" حیدر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"تم سے باتوں میں ساری عمر ہارنا ہی ہے مجھے۔"

"جی۔" وہ سر ہلا کر مسکرائی۔

"ویسے یہاں اکثر ٹورسٹ اور ایکو پوائنٹس کے نام ہیں۔" اس نے پگڈنڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس جگہ کا کوئی نام کیوں نہیں؟"

"نہیں ہے تو کیا ہوا، یہ ہمارا پوائنٹ ہے، ہم اس کا نام رکھ دیتے ہیں۔" حیدر نے اس کے گرد بازو پھیلا کر پھر اسے قریب کیا۔

"کیا رکھیں؟" اس نے حیدر کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہاں پہلی بار میرا دل کسی کے لیے مچلا تھا اور اگر تم ایمان داری سے اعتراف کرو تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ پہلی بار یہیں ہوا تھا۔"

"آپ سے التماس ہے کہ مجھ سے کچھ اگلوانے کی کوشش نہ کرتے ہوئے اس جگہ کا نام کرن کریں۔" سبیلا نے ایئر ہوسٹس کے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"ہاہاہا..... ویسے ان پوائنٹس کے نام اکثر بڑے رومانٹک ہوتے ہیں، جیسے لورز پوائنٹ، کپلز پوائنٹ۔"

"یہ آپ کو رومانٹک لگتے ہیں؟" اس نے آنکھیں پھاڑ کر استعجابیہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں ہے ناں رومانٹک؟" اس نے بھی منہ بنا کر الٹا سوال داغا۔

"اونہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہم اس جگہ کو رومانٹک نام دیتے ہیں..... ہم....." کچھ پل سوچنے کے بعد اس نے کہا۔ "اس کا نام ہم 'وادیٔ دل' رکھتے ہیں۔"

"اوکے، تو آج سے اس ایکو پوائنٹ کا نام یہ ہی ہوگا۔"

حیدر اسے یونہی بازو میں لیے وادی کی طرف مڑا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ہم آواز ہو کر صدا لگائی۔

"وادیٔ دل....."

☆☆

www.urdunovels.blogspot.com

Scanned with CamScanner